آدھی آبادی کے جذبات واحساسات کا ترجمان

ماہنامہ

خواتین دنیا

Mahnama Khawateen Duniya Monthly , New Delhi

جون 2025

राष्ट्रीय उर्दू भाषा विकास परिषद
National Council for Promotion of Urdu Language

www.urducouncil.nic.in

قیمت: ₹ 15/-

ادب اطفال کی دنیا میں اہم ترین سنگ میل

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

دہلی

Monthly BACCHON KI DUNIYA, New Delhi

پیاری پیاری نظمیں
دلچسپ کہانیاں
سائنس وٹیکنالوجی

معلوماتی مضامین
صحتِ اطفال
بچّوں کا کتب خانہ

ان کے علاوہ:

- کہکشاں ◆ زبان شناسی
- میرا بچپن ◆ بچوں کے بڑے ادیب
- بچوں کی پینٹنگ ◆ ڈاک خانہ جیسے مستقل کالم

اور بہت کچھ

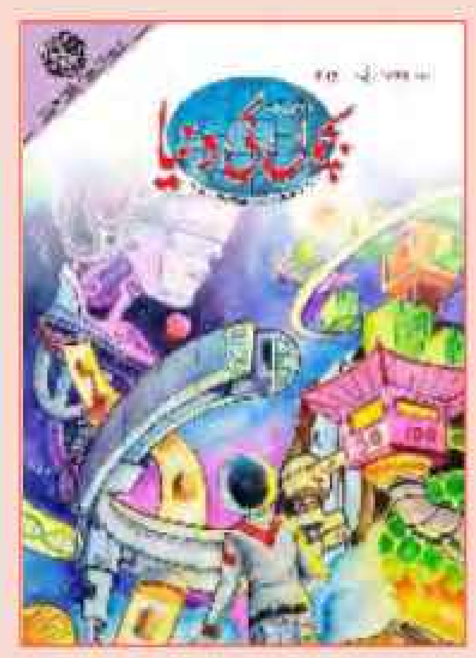

سب سے زیادہ چھپنے والا بچّوں کا اردو رسالہ

قیمت فی شمارہ: 15 روپے   سالانہ: 145 روپے

سالانہ خریداری اور ایجنسی کے لیے رابطہ فرمائیں

زرِتعاون سالانہ 145 روپے بنام NCPUL اکاؤنٹ نمبر: A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009 میں جمع کریں۔

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail: magazines@ncpul.in

شاخ: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002 فون: 24415194 - 040

آدھی آبادی کے جذبات واحساسات کا ترجمان

ماہنامہ خواتین دنیا

Mahnama Khawateen Duniya Monthly, New Delhi

جلد: 9 شمارہ: 6 جون 2025

مدیر اعلیٰ : ڈاکٹر شمس اقبال

مدیر منتظم : ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی

نائب مدیر : ڈاکٹر عبدالباری

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارت تعلیم،محکمۂ اعلیٰ تعلیم،حکومت ہند

مطبع: میکاف پرنٹرس، B-127، سیکٹر 65

نوئیڈا۔201301 (یوپی)

مقامِ اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

قیمت -/15 روپے، سالانہ -/145 روپے

صفحات: 64 Total Pages

■ قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل (NCPUL) اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

● ڈرافٹ NCPUL, New Delhi کے نام ارسال کریں

صدر دفتر

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا

جسولہ، نئی دہلی-110025، فون: 011-49539000

شعبۂ ادارت: 011-49539009

نگارشات ارسال کرنے کے لیے

ای میل: kduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

شعبۂ فروخت

ویسٹ بلاک-8، ونگ-7، آر کے پورم، نئی دہلی۔ 110066

فون: 26109746، فیکس: 26108159

ای میل: sales@ncpul.in

شاخ: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 1-5، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002

فون: 24415194 - 040

اس شمارے میں

اداریہ

مشعل — مدیر — 4

شخصیات

ایک گمنام شاعر: پربھولال گوڑا اشہر اجینی — عشرت ناہید — 5

محبوب انور: منفرد لب و لہجے کا شاعر — صوفیہ محمود — 8

یوگا

یوگا: جسمانی اور ذہنی فلاح و بہبود کا راز — سعدیہ زاہد — 11

یوگ: ہندوستانی وراثت اور ہم — گلشن مسرت — 15

جہان سائنس

سائنسی ایجادات میں خواتین — عریشہ تسنیم — 19

جہان نسواں

تدریسی واکتسابی عمل میں جدید کاری — عرفانہ بیگم — 24

نرگس جہاں: ایک نامور علمی شخصیت — مہتاب جہاں — 30

جوش ملیح آبادی کی نظم میں مناظر فطرت کی عکاسی — سیدہ تفسیر فاطمہ — 34

تبسم فاطمہ کے افسانوں میں نسوانی کردار — ریحانہ پروین — 37

عبدالرحیم نشتر اور ادبِ اطفال — اسماء ثمرین — 42

حسن سخن

میمونہ علی چوگلے، مسرور صغریٰ، شاذیہ نیازی — 45

افسانے

اندھیرے اجالے — رخشندہ روحی مہدی — 47

پس آئینہ کوئی اور ہے — سعدیہ سلیم — 51

میرے ہم نوا — شاہ تاج خان — 55

ارتباط

قارئین کے خطوط — 61

مشعل

یوگا ہماری صحت کے لیے نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ صحت ہے تو زندگی ہے اور جان ہے تو جہان ہے۔ بیماریوں سے نجات اور خلاصی کے لیے یوگا کو زندگی میں شامل کرنا صحت کی سمت ایک بہترین قدم ہے۔ یوگا سنسکرت کے لفظ یوگ سے ماخوذ ہے اور اس کی تاریخ بہت قدیم ہے۔اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ یوگا ہندوستان کی پانچ ہزار سالہ قدیم تہذیب کا ایک اہم اور لازوال حوالہ ہے۔اس میں نہ صرف جسمانی اور روحانی مشقیں شامل ہیں بلکہ اس کے ذریعے جسم وروح کے مابین ایک ربط بھی قائم ہوجاتا ہے۔ یہ ہندوستان کی قدیم سائنس کی بھی ایک بہترین مثال ہے اور ہندوستان کے قدیم صوفی سنتوں کا عطا کردہ ایک قابل قدر تحفہ ہے۔

وزیر اعظم عزت مآب شری نریندر مودی 2014 میں وزیر اعظم منتخب ہونے کے بعد جب پہلی بار اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں گئے تو انھوں نے 21 جون کو بین الاقوامی سطح پر یوم یوگا منانے کی تجویز پیش کی اور پھر ان کی تجویز پر اقوام متحدہ نے 21 جون کو عالمی یوم یوگا قرار دیا۔ان کی یہ کوشش ایک مثال ہے اپنی تہذیب وتاریخ سے محبت کی۔ یوگا کے ذریعہ نہ صرف خواتین بااختیار ہوسکتی ہیں بلکہ اسی کے ساتھ یوگا خواتین کی جسمانی اور روحانی پریشانیوں اور ان کے ذہنی تناؤ کو رفع کرنے میں بھی معاون ہوسکتا ہے۔

صحت کو درست رکھنے کے لیے جہاں اچھی اور مناسب غذا، مناسب مقدار میں پانی اور اچھی نیند لازمی ہے، وہیں یوگا بھی صحت بحال رکھنے کی ایک غیر معمولی کلید ہے۔ ماہرین صحت نے یوگا کے بہت سارے فائدے شمار کروائے ہیں۔ یوگا سے جو بنیادی فوائد ہمیں حاصل ہوتے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں: یوگا کرنے سے جسم تندرست رہتا ہے اور اس میں لچک بھی پیدا ہوتی ہے۔ یوگا ذہنی ارتکاز اور توجہ میں اضافے کا سبب ہے۔ وہ تنفس کے عمل اور نیند کو بہتر بنانے میں بہت معاون ہے۔ یوگا انسانی جسم کی توانائی میں بھی اضافہ کرتا ہے۔اس کے ذریعے غیر ضروری اور مہلک فیٹ کو ختم کرکے وزن بھی کم کیا جاسکتا ہے اور اس طرح انسان کی قوت مدافعت مستحکم ہوسکتی ہے۔جسم کے دیرینہ درد وتکالیف دور ہونے لگتے ہیں۔انسانی جذبات میں بھی توازن پیدا ہونے لگتا ہے۔

شادی اور تولید کے عمل کے بعد بعض خواتین خود کو عمر رسیدہ خیال کرنے لگتی ہیں۔ یہ احساس انھیں اندر سے کمزور اور ان کے اعضا وجوارح کو مضمحل کرنے لگتا ہے۔اس صورت میں یوگا کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ یوگا جسمانی صحت کے ساتھ نفسیاتی دباؤ پر بھی قابو پانے کا ایک وسیلہ ہے۔ ماہرین صحت کا خیال ہے کہ خواتین زندگی کے تناؤ کا زیادہ شکار ہوا کرتی ہیں۔تناؤ کے سبب خواتین میں ڈپریشن، دل کی بیماریاں اور دیگر مسائل پیدا ہوتے ہیں۔موجودہ دور میں یوگا سینٹر سے رابطہ کرنے کا ماحول اور رجحان تیزی کے ساتھ بڑھا ہے۔ یوگا اپنے آپ میں اس قدر جاذب اور پرکشش ہے کہ ایک بار اس کی طرف متوجہ ہونے والے اسے ترک نہیں کرتے۔ اب تو یوگا سکھانے کے لیے خواتین بھی یوگا سائنس کی تعلیم سے آراستہ ہورہی ہیں۔ اگر ایک گھر یا خاندان میں کوئی ایک خاتون بھی یوگا سے بخوبی واقف ہو تو وہ پورے خاندان اور سماج کو صحت مند بنانے میں معاون ثابت ہوسکتی ہے۔اس کے علاوہ بھی یوگا کے بہت سارے فائدے ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ یوگا کو اپنی زندگی میں نہ صرف شامل کیا جائے بلکہ اسے اپنی زندگی کا اٹوٹ حصہ بنالیا جائے۔

آپ کا

عشرت ناہید

ایک گمنام شاعر
پربھولال گوڑ اشہر اجینی

پربھولال گوڑ اشہر اجینی 1883 میں اجین میں مقیم ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے۔ان کی تعلیم اس وقت کے ممتاز عالم دین مولانا یعقوب میاں جی کی درسگاہ میں ہوئی۔مولانا یعقوب نے پربھولال کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر خاص توجہ دی۔ان کی شخصیت سازی کی بدولت پربھولال ایک نیک سیرت اور اعلیٰ کردار کے حامل انسان کے طور پر پہچانے گئے۔استاد نے انھیں فارسی اور عربی زبان پر دسترس دلائی۔اس کے علاوہ انھوں نے ہندی، سنسکرت اور انگریزی زبان بھی سیکھی۔پربھولال پر اپنے استاد اولیں مولانا یعقوب میاں جی کے گہرے اثرات مرتب ہوئے کیونکہ انھوں نے اشہر کو نہ صرف دنیاوی بلکہ روحانی تعلیم سے بھی سرفراز کیا تھا۔مولانا یعقوب اشہر سے بے انتہا محبت اور اعتماد کرتے تھے یہاں تک کہ انھوں نے اپنی تجہیز و تکفین کے سارے انتظامات کی وصیت بھی انہی کے نام سے کی تھی اور اشہر نے بھی اپنے استاد کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے سارے انتظامات خود کیے اور اپنی زندگی تک ان کے عرس کا بھی اہتمام کرتے رہے۔

شاعری میں آپ نے کیفی کاکوروی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔کیفی کاکوروی نے ہی انھیں اشہر تخلص دیا۔اشہر کو سیاست میں بھی دلچسپی تھی انھوں نے سودیشی تحریک میں بڑھ چڑھ کا حصہ لیا۔وہ سیاسی رہنماؤں میں گوپال کرشن گوکھلے کے نظریات سے بہت متاثر رہے۔تعلیم مکمل ہونے کے بعد عربی فارسی کے استاد کی حیثیت سے پربھولال گوڑ اکا تقرر اجین کے مادھو کالج میں ہوگیا۔اجین میں اردو ادب کی تحقیق کے دوران پربھولال گوڑ اشہر کے دو مجموعے منظر عام پر آئے۔ایک سوغات اشہر یا سوغات بکرمی کے عنوان سے ہے جو مطبع مصطفائی بمبئی سے 1973 سمبت بکرمی میں شائع ہوا۔اور دوسرا ان کا دیوان جو 'اشعار نادر اشہر' ہے جسے مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی نے 1982 شائع کیا۔

سوغات اشہر قصائد کا مجموعہ ہے۔اس مجموعے میں تین قصائد کے علاوہ غزلیں اور مسدس بھی ہیں۔یہ قصائد مادھو راؤ سندھیا کے شہزادے کی ولادت کے موقع پر لکھے گئے ہیں۔اس کے سرورق پر اشہر کی فارسی تحریر ہے جس سے ان کی فارسی زبان پر عبور کا اندازہ ہوتا ہے۔

''بعون صناع زمین و زماں و بفضل خلاق مکین و مکاں دریں ایام فرخندہ فرجام قصائد و مسدسات

وتہنیت ولادت با سعادت شاہزادۂ والا مرتبت
اطال اللہ عمرہ و اقبالہ بمشکوئے معلیٰ حضور پرنور عدل
گستر سر مادھوراؤ صاحب سندھیا عالی جاہ بہادر دام
اللہ ملکہ و اقبالہ موسومہ باسم' سوغات اشہر' 1973
سمبت بکرمی از نتیجۂ فکر شاعر شعلہ بیاں شیریں مقال منشی
پربھولال صاحب گوڑ، آنریری سیکریٹری کائستھ صدر سبھا
مالوہ و مدرس مادھو کالج، المتخلص بہ اشہر نمک خوار، قدیم
گوالیار گورنمنٹ خوشباش دارالفتح اجین۔ مالوہ"[1]

اس قصیدے میں شہزادے کی ولادت با سعادت کے موقع پر مبارکباد اور سلامتی کی دعائیں کرتے ہوئے اشہر نے تاریخ بھی رقم کی ہے وہ لکھتے ہیں:

پئے تاریخ و سال جشن وقت فکر ہاتف نے
ندا یہ غیب سے دی صاف اگر اشہر ضرورت ہو
زروئے جشن کہہ دو بکرمی سمبت میں یہ فوراً
ہمارا شاہزادہ شیر میدان شجاعت ہو
(1973 بکرمی)

> **"قصائد کے علاوہ سوغات اشہر میں چار تہنیتی مسدس بھی ملتے ہیں۔ اس مسدس میں تقریباً 12 بند ہیں۔بھولال گوڑا اشہر نے شاعری کی تمام اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ مثال کے طور پر غزل، نظم، قصیدہ، رباعی، مرثیہ وغیرہ جیسی اصناف پر انھوں نے بہت کچھ کہا ہے۔"**

اشہر تاریخ دانی میں ماہر تھے۔ انھوں نے کئی موقعوں پر تاریخوں کو رقم کیا ہے جیسے کہ پہلے قصیدے میں بکرمی سمبت کو لکھا ہے تو دوسرے قصیدے میں تاریخ عیسوی کیلنڈر کی ملتی ہے اور تیسرے قصیدے میں وہ ہجری سن کو لکھتے ہیں۔ تیسرا قصیدہ اجین میونسپلٹی کے جشن کے وقت لکھا تھا یہ جشن بھی مادھوراؤ سندھیا کے یہاں بیٹا تولد ہونے کی خوشی میں ہی منعقد کیا گیا تھا۔قصیدے کی تشبیب میں وہ سوال کرتے ہیں کہ یہ خوشیاں کیوں منائی جارہی ہیں۔

سبب کیا ہے جہاں میں شادمانی کا
درخت سبز پر ہوتا ہے کیوں شک باغ رضواں کا
نمایاں کس لیے دنیا میں ہے آثار شادی کا
بنا ہے کس لیے گلدستہ ہر پتہ گلستاں کا
اکھٹے کس لیے اس جا پہ ہیں اجین کے شاعر
مبارکباد کا اتنا ہوا کیوں شور عالم میں
ہجوم اتنا ہوا کس واسطے ہندو مسلماں کا

قصائد کے علاوہ سوغات اشہر میں چار تہنیتی مسدس بھی ہیں۔ اس مسدس میں تقریباً 12 بند ہیں۔بھولال گوڑا اشہر نے شاعری کی تمام اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ مثال کے طور پر غزل، نظم، قصیدہ، رباعی، مرثیہ وغیرہ جیسی اصناف پر انھوں نے بہت کچھ کہا ہے۔

اشہر کے دیوان میں تقریباً اکتیس غزلیں صرف 'الف' ردیف میں ملتی ہیں جن میں کئی غزلیں تو دوغزلہ، سہ غزلہ بھی ہیں۔ان غزلوں کے بعد اشہر نے چار تضمین لکھی ہیں تضمین برغزل استاد ذوق دہلوی، تضمین برغزل فصیح الملک داغ دہلوی، تضمین برغزل استاد منشی نورالدین احمد کیفی کاکوروی تضمین برغزل اکبرالہٰ آبادی۔نمونے کے طور پر چند بند دیکھیے:

تضمین برغزل استاد ذوق دہلوی:

سختی فرقت سے میرا دم ہی نکلا جائے ہے
یاد اس کی شوق بے حد کو مرے بھڑکائے ہے
الوداع اے قید! وحشی قید سے گھبرائے ہے
رخصت اے زنداں جنوں زنجیر در کھڑکائے ہے
مژدہ خار دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے

تضمین برغزل فصیح الملک داغ دہلوی:

نشاں کچھ بھی نہیں ملتا وفا کا گل عذاروں میں
عبث ڈھونڈے ہے تسکین وسکوں کو بے قراروں میں

ترے ڈر سے وہ کافر جا چھپی پرہیزگاروں میں
جہاں میں جب نہ ہو اشہر کسی کا پوچھنے والا
پڑا رویا کرے وہ داغ بیکس اس طرح تنہا
کہ جس کی رات دن ہنس بول کر گزری ہو یاروں میں

اشہر کو اپنے وطن سے بے پناہ محبت ہے جس کا اظہار ان کی نظموں میں ملتا ہے۔'ہندوستان ہمارا' نظم میں وہ اپنے ملک کے ذرے ذرے سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔اشہر کی نظموں میں ہمیں ان کے عہد کے ماحول کی عکاسی ملتی ہے۔جب ہندوستان میں مختلف قسم کی وبائیں آئیں اور کوئی مددگار نہ ہوا اس کا بیان اور شکوہ بھی ان کی نظم 'حالت ہندوستان' میں ملتا ہے۔جب قحط آیا اور بھکمری چاروں طرف پھیل گئی تو اس کے نتیجے میں پلیگ،ہیضہ جیسی وبائیں بھی نازل ہوگئیں۔

آج تک ہند میں تنہا نہ بلا آئی
قحط جب آیا یہاں ساتھ وبا بھی آئی
عقل بگڑی تو فراست کو قضا بھی آئی
وقت بگڑا تو مصیبت کی بلا بھی آئی
خاتمہ تیرے کمالوں کا ہوا ہے افسوس
تیرے ہمدردوں کی تجھ تک نہ صدا بھی آئی

ملک کے بگڑے حالات نے اشہر کے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالا اور اس درد و یاس کی کیفیت میں وہ ہندوستان کا مرثیہ لکھ دیتے ہیں۔جس سے ان کے غم کی شدت کا احساس ہوتا ہے۔ملک کی اس بدحالی کا ذمے دار وہ یوروپ کو مانتے ہیں۔اشہر نے اپنے استاد مولانا یعقوب کی صحبت میں بہت سارے روحانی فیوض بھی حاصل کیے تھے اور وہ عوام کو روحانی عملیات کے ذریعے فیض بھی پہنچاتے تھے۔یہی وجہ رہی کہ وہ مسلمانوں کی حالت زار کو سمجھتے بھی ہیں اور ان کی وجوہات کو بھی جانتے ہیں اور اس سب کا ذکر نظم کے پیرائے میں کر ڈالتے ہیں کہ ان کی اس زبوں حالی کے وہ خود ذمے دار ہیں کیونکہ وہ اپنے مذہب کے اصولوں سے کنارہ کش ہو گئے ہیں۔نظم'' حالت مومنین' میں انھوں نے مومنوں کے دل سے دین پر چلنے کا جذبہ اور خدا کی اطاعت وفرماں برداری کی کیفیت کے زائل ہوجانے کو بڑے پر سوز انداز میں بیان کیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ مومنوں کے دل میں خدا کا ڈر نہیں رہا اور اس وجہ سے اچھے اور برے کی تمیز بھی ختم ہوگئی۔اور یہ سب دنیا کی چاہت کی وجہ سے ہوا۔

اشہر کو بدلتے حالات میں اخلاقی زوال کا بہت احساس تھا۔وہ ایک حساس شاعر تھے،ان کی تربیت اعلیٰ اخلاقی پیمانوں پر ہوئی تھی لیکن زمانے میں اخلاقی گراوٹ بہت زیادہ تھی جس کا وہ اپنی شاعری میں برملا اظہار کرتے ہیں۔درج ذیل اشعار ان کے انہی جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔

حیف ہے دنیا سے کیا رنگ وفا جاتا رہا
مہر و الفت دوستی کا واسطہ جاتا رہا
کاروبار دہر کا شیرازہ اک دم کھل گیا
اتفاق باہمی دنیا سے کیا جاتا رہا
اب نہ بیٹوں کو رہا کچھ باپ دادا کا خیال
دور دنیا سے ادب آداب کا جاتا رہا
ہمسری کرنے لگے شاگرد جو استاد سے
فیض بھی استاد کا رخصت ہوا جاتا رہا

ایک 'مسدس موسومہ بہ اپنی رام کہانی' میں زندگی،اور خدا کی وحدانیت کا فلسفہ موثر انداز میں بیان کرتے ہیں۔

المختصر اشہر کے یہاں مختلف موضوعات پر نظمیں ملتی ہیں۔شیریں بیانی،غرور،درد،جیسی اصلاحی نظمیں ملتی ہیں تو وہیں ان کے یہاں ہولی اور کلام عارفانہ بھی ہے۔اسی طرح ان کے یہاں رباعی، مرثیے،سلام اور نوحے بھی ہیں۔

❑❑❑

Dr. Ishrat Naheed
Asst. Professor
Maulana Azad National Urdu University,
Lucknow Campus
504/122 Tagor Marg
Near Shabab Market, Daliganj
Lucknow-226 020 (U.P.)

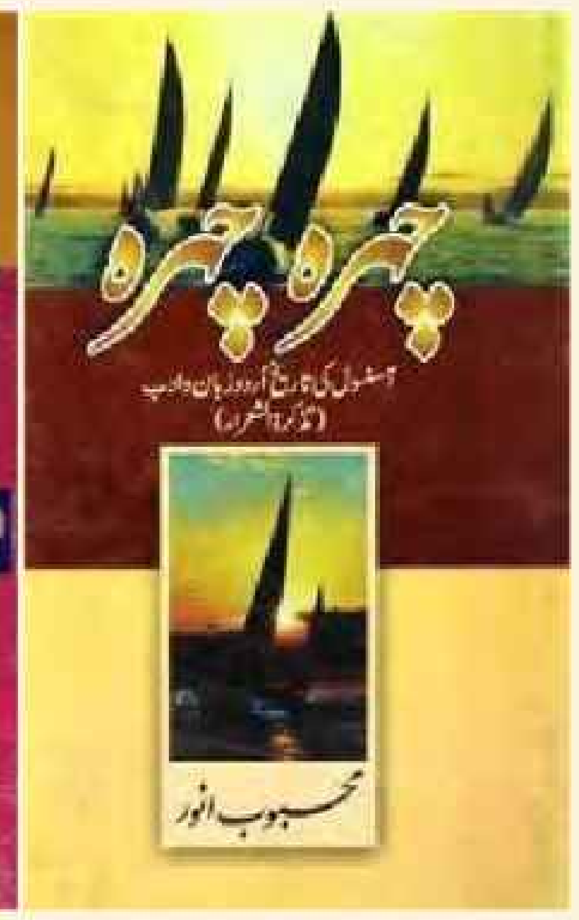

صوفیہ محمود

محبوب انور

منفرد لب ولہجے کا شاعر

سرزمین بنگال صدیوں سے علم وادب کا مینارۂ نور رہا ہے۔ مغربی بنگال کے ضلع بردوان کا شہر آسنسول اردو ادب کا ایک جزیرہ ہے۔ یہاں کی فضا فکر انگیز ہے جہاں عہد قدیم میں سید محمد شاہ چشتی، عدم آسنسولوی اور سلیم خیر آبادی جیسی عظیم شخصیات نے اردو شاعری کی پہلی شمع روشن کی۔ اسی روایت کو آگے بڑھانے والے شاعروں میں سید رضی احمد رضی، امتیاز احمد راشد، غفار راہی، سید سہیل واسطی، سلام جونپوری، ساحل مونگیری اور محبوب انور وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

سید آل سرور تخلص محبوب انور اردو کے ایک مشہور شاعر رہے ہیں۔ ان کی ولادت 8 اگست 1939 بمقام صوبہ بہار ضلع بیگو سرائے میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر میں ہی حاصل کی۔ آپ ایک مذہبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ اسلامی نظریات اور اسلامی عقائد سے بخوبی واقف تھے۔ آپ تقریباً بیس برس کی عمر میں اپنے وطن عزیز سے ہجرت کر کے شہر آسنسول میں درس وتدریس کے پیشے سے منسلک ہو گئے۔ آپ ادبی محفلوں، مشاعروں اور اردو زبان وادب کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ محبوب انور ایک طویل عرصے تک آسنسول کی سرزمین پر اپنے علم وادب اور شعر وسخن کا جادو چلاتے رہے اور 2014 میں انھوں نے آسنسول میں ہی آخری سانسیں لیں۔

محبوب انور کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ ان کی شخصیت کے مختلف پہلو ہیں۔ وہ ایک اچھے مدیر، صحافی، نثر نگار اور قادرالکلام شاعر ہیں۔ آپ کے شاگردوں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود ہیں جن میں رستم قریشی، سیدہ شاہینہ روزی، سیرت رضوی، شاہد بن اسلام، شکیل انور شکیل، نورالعابدین عابد وغیرہ اہم نام ہیں۔ جب ان کی شاعری کا جائزہ لیا جاتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ عالم خود فراموشی میں شعر تخلیق کر رہے ہیں اور جب ان کی نثر کو پڑھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ان سے زیادہ کوئی ذی شعور نہیں۔ ان کا نثر میں اپنا ایک منفرد اسلوب ہے اور ان کی شاعری اپنے حسن، اپنی جدت، اپنی خوشبو اور اپنے رنگ سے پہچانی جاتی ہے۔ محبوب انور شاعری کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ان جملوں میں کرتے ہیں:

> ’’میں شاعری میں صرف اور صرف افادیت کا قائل ہوں اور اس پر فنی خوبیوں کو قربان کرنا گناہ عظیم سمجھتا ہوں۔ میں مواد کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے فنکارانہ پیش کش کو بھی بڑی اہمیت دیتا ہوں۔‘‘

(دھوپ دھوپ بارش، محبوب انور، ص۔9)

محبوب انور ادیب و مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ شاعر بھی ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری میں اپنے جذبات ومشاہدات کی ترجمانی لطیف پیرائے میں کی ہے۔ ان کی شاعری ایک خاص

اندازِ فکر کی ترجمانی کرتی ہے۔آپ کی نظمیں،غزلیں مختلف رسالوں میں شائع ہوتی رہتی تھی ۔آپ اکثر و بیشتر مشاعروں میں مدعو کیے جاتے تھے۔آپ کی چار کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔شعری مجموعے دھوپ دھوپ بارش(1997)،نقطہ کا سفر(1993)،چہرہ چہرہ (2009)اورسلسلہ روز وشب(2012) میں شائع ہو چکے ہیں۔ان کی نظمیں اورغزلیں اردو شاعری میں اہم مقام رکھتی ہیں۔اپنی شاعری میں محبوب انور نے نہ صرف جمالیاتی کیفیات کا بلکہ سیاسی نظریات اور اپنے انفرادی خیالات کا بھی دلکش انداز میں اظہار کیا ہے۔محبوب انور کی شاعری ان کے خیالات ،جذبات اور شخصیت کی بھرپور ترجمانی ہے۔ان کی شاعری زندگی کے حقائق کی بھی ترجمان ہے۔

آپ کا پہلا شعری مجموعہ ’نقطہ کا سفر‘ 1993 میں منظر عام پر آیا اور دوسرا نظموں کا مجموعہ ’دھوپ دھوپ بارش‘ 1997 میں شائع ہوا۔ان دونوں مجموعوں میں شامل کلام سے محبوب انور کی شاعرانہ صلاحیت،افکار ونظریات اورفنی پختگی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ محبوب انور اپنے فکر وخیال اورانداز بیان کے اعتبار سے بہت ہی منفرد اور عظیم شاعر تھے۔ان میں چند غزلوں اور نظموں کے ساتھ مختلف اصناف سخن کی کچھ جھلکیاں بھی ہیں جن سے ان کے شعری سفر اور رجحانات کا بخوبی علم ہوتا ہے۔کرامت علی کرامت ’سلسلہ روز وشب‘ میں ان کی شخصیت کی عکاسی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”محبوب انور ایک حساس شاعر ،ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور ہندوستان کے ایک ذمے دار شہری ہیں۔ان کے جگر میں پوری انسانیت کا درد بھی ہے اورامت مسلمہ کی روحانی واخلاقی پستی اور سماجی وسیاسی زبوں حالی کا قلق بھی۔ماضی،حال اور مستقبل پر ان کی نظر گہری ہے۔“

(سلسلہ روز وشب،محبوب انور،ص۔22)

بحثیت شاعر محبوب انور کا یہ کمال ہے کہ وہ غزل جیسی نازک صنف وسخن میں بھی روایتی انداز کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے ماحول اور ذاتی تاثرات کو بے ساختہ بیان کرنے کے اہل ہیں۔ان کے کلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ شوکتِ الفاظ کے ساتھ ساتھ محاوروں کی چستی اور لفظوں کی خوبی بندش کو بھی ملحوظ رکھتے تھے جس سے کلام میں روانی اور بے ساختگی پیدا ہوتی ہے۔موصوف کے یہ اشعار واقعی غور طلب ہیں۔

ان کی غزلوں کے چند اشعار ملاحظہ ہو:

نہ دل میں ہوں نہ کسی شخص کی نگاہ میں ہوں
میں آج اپنے ہی گرد وغبارِ راہ میں ہوں

نقطے کا سفر

محبوب انور کی شاعری عہد حاضر کی ترجمان ہے۔انھوں نے جدید تقاضوں سے کبھی آنکھ نہیں چرائی ہے۔وہ جو کچھ دیکھتے محسوس کرتے اور سمجھتے ہیں بڑی سچائی سے اس سے قاری کو بہرہ ور کرتے ہیں ۔بے مزہ زندگی،بدلتے ہوئے معاشرے ،نت نئے ہنگامے، آپسی انتشار،اقتصادی معاشی بدحالی،سیاسی بے چینی ،بے یقینی اور استحصال اوران سے جنم لینے والے واقعات وحادثات،عدم تحفظ اورعدم اشتراک نے جس المیے کو پیدا کیا ہے ان کے بے لاگ اظہار میں انھوں نے کبھی کوتاہی نہیں کی ہے۔انھوں نے تمام آلام ومصائب کے ساتھ زندگی کا سامنا کیا ہے۔ان کی بعض نظمیں پڑھ کر آنکھیں نم ہو جاتی ہے۔اپنا غم،اپنوں کا غم اور زمانے کا غم والم بیک وقت ساری چیزیں ان کی شاعری کی زبان بن گئی ہے۔ان کے اندر قوت برداشت کی صلاحیت بے انتہا موجود تھی۔ان کی نظموں کے چند اشعار ملاحظہ کریں:

منزل منزل
بھٹک چکا تو
بعد خرابی بسیار
مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ
یہ تو میرا آغاز سفر تھا

(آغاز سفر،دھوپ دھوپ بارش،ص۔22)

جب میں رات گئے بازار سے
خالی ہاتھ واپس ہوتا ہوں
تو/میری شریک حیات اور
میرے بچوں کی آنکھیں/ بھیگ جاتی ہیں

(مجبوری،دھوپ دھوپ بارش۔ص۔38)

غزل اور نظم کے علاوہ دوسری صنفوں میں محبوب انور کا شعور انتہائی بالیدہ اور عمل پیہم کا نقیب نظر آتا ہے۔ان کے یہاں فکر وخیال کی بلندی ،لفظوں کی بندش اور اظہار کی تازگی کے علاوہ شاعری کے اصول وفن کی پاسداری بھی بہ درجۂ احسن موجود ہے۔غزل کے ساتھ ساتھ محبوب انور کی نظمیں چاہے وہ نظم معرا ہوں ،پابند نظمیں ہوں یا آزادنظم ان میں موجود تسلسل ،روانی ،آہنگ ،اور لفظیاتی نظام قاری کو اپنی گرفت میں لینے کی جوقدرت وصلاحیت رکھتے ہیں وہ واقعی قابل ستائش ہیں۔ان کی نظمیں 'روشنی کی چیخ'،'تماشہ نظر، مجبوری،ضرورت،محبوب ،شدت وغیرہ اپنے موضوعات کی مناسبت سے شعری اظہار کی وارفتگی اور کمال فن کی آئینہ دار ہیں۔محبوب انور کی شاعری میں حسن فطرت کی رنگ آمیزی بھی نظر آتی ہے۔ان کی نظمیں شملہ کی ایک شام، سہرا، آغازِسفر،مشغلہ وغیرہ اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

محبوب انور بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہے۔انھوں نے اپنے ہم عصر دوسرے بہت سے شعرا کی طرح زندگی کی تلخیوں ،اپنے عہد کی ضرورتوں اور عصری مسائل کے اظہار کا وسیلہ غزل کو بنایا ہے۔ ان کی نظموں پر دھوپ، بارش،خوشبو،مکان،تنہائی،زندگی کی بے ثباتی، رشتوں کے بیگانہ پن،انسانی مزاج کی مختلف کمزوریوں اور نفسیاتی پہلوؤں کے گہرے سائے نظر آتے ہیں۔حالات نے سماج اور معاشرے کو جن تضادات ،اختلافات اور مساوات کا شکار کر رکھا تھا ان کے نقوش بھی ہمیں محبوب انور کی غزلوں اور نظموں میں ملتے ہیں۔جہاں تک محبوب انور کی غزلوں کی زبان کا معاملہ ہے وہ سیدھی سادی اور عام فہم ہے۔اس میں جذبے اور خیال کی ترسیل بڑی آسانی سے کی گئی ہے۔وہ اپنی باتوں کو پیچیدہ تو نہیں بناتے مگر اشارے وکنائے کا استعمال ضرور کرتے ہیں۔

محبوب انور کی شاعری اس بات کی غمازی ہے کہ وہ ماحول اور انسانی نفسیات کا گہرا مطالعہ ومشاہدہ رکھتے ہیں۔ان کی اس قوت مُشاہدہ اور فکری بصیرت میں ایک ایسے ہوش مند انسان کا کردار ابھرتا ہے جو عصر حاضر کی برق رفتار ترقی سے خوش تو ہے لیکن اس کے پس پردہ معاشرے اور فرد کی نقاب پوش بے چہرگی اور انسانی اقدار کی پامالی اور بے قدری سے مضطرب ہوجاتا ہے۔ماحول کے آشوب کے آبگینہ دل کو ٹھیس لگتی ہے لیکن وہ افسردہ نہیں ہوتے۔سالک لکھنوی کا یہ جملہ ملاحظہ فرمائیں:

''محبوب انور منفرد لب ولہجہ کے شاعر ہیں۔ان کے یہاں ایمائیت، علامت اور تلازمات کے برتنے کی پوری صلاحیت ہے۔عہد جدید کے شعرا میں یہ مجھے بہت پسند ہیں ان کی شاعری دل ودماغ کو متاثر کرتی ہے اور یہ اپنی تخلیقات میں اپنا وجود رکھتے ہیں، یہ اپنے اشعار میں زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔''

(دھوپ دھوپ بارش،سرورق پر تحریر)

محبوب انور کے یہاں معنوی تہہ داری اور شعری کیفیت میں خارجیت کے مقابلے داخلیت کا زیادہ دخل ہے جوان کے شعور وسلیقے اور عوامی وسیلے کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔یہ سخن طراز ہونے کے باوصف سخن دراز وسخن فہم بھی ہیں۔ان کی شاعری کا کمال یہ ہے کہ اس کو پڑھ کر یا سن کر ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ اس زندگی کی ترجمان ہے۔جس میں محبتیں اور رفاقتیں ہیں جو جگ بیتی سے زیادہ آپ بیتی پر مبنی ہے۔ان کی فکری اساس میں اتنی وسعت وندرت ہے کہ زندگی کی حقیقی کرب ناکی اور سچائی ہر جگہ نظر آتی ہے۔

حوالے:

1 دھوپ دھوپ بارش،محبوب انور،ادارہ ہم لوگ ،شعرستن احمد نگر برنپور آسنسول،1997

2 چہرہ چہرہ،محبوب انور، پہچان پبلیکشنز ،الہ آباد،2009

3 نقطے کا سفر،محبوب انور، گورنمنٹ اردو لائبریری پٹنہ،1992

4 سلسلہ روز وشب،محبوب انور،اصنام پبلیکشنز ،وشاکھا پٹنم،2012

□□□

Dr. Sufia Mahmood
Deptt. of Urdu
Kazi Nazrul University
Asansol--713340 (West Bengal)
Email. sufiamahmood786@gmail.com

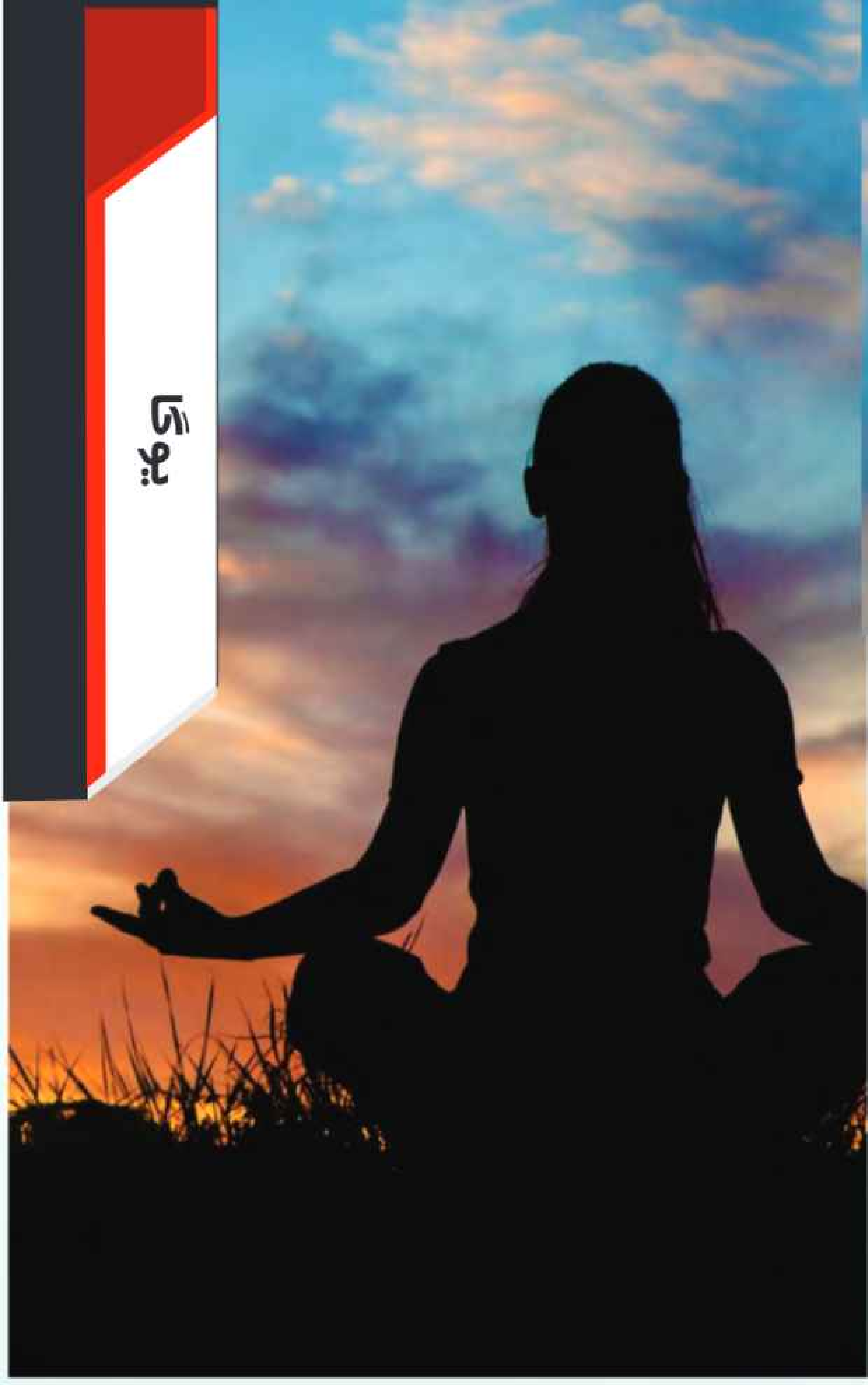

سعدیہ زاہد

یوگا: جسمانی اور ذہنی فلاح و بہبود کا راز

1۔ انسانی تہذیب کی ابتدائی حالت: انسانی ارتقا کے سفر کا بقا کی بنیادی جدوجہد سے گہرا تعلق ہے۔ ابتدائی دنوں میں انسان فطرت سے بہت قریب تھا۔ وہ ماحولیاتی ہم آہنگی میں زندگی گزارتا، اپنی ضروریات اور تحفظ کے لیے جبلت اور مشاہدے پر انحصار کرتا۔ ان کی زندگیاں قدرتی نظام کے تحت رواں تھیں اور ان کی جسمانی سرگرمیاں روزمرہ کی زندگی کا فطری حصہ تھیں۔ اس دور میں نہ کوئی جم تھا، نہ ورزش کے پروگرام لیکن شکار، خوراک جمع کرنے، درختوں پر چڑھنے اور طویل فاصلے پیدل طے کرنے کے ذریعے انسان ایسی جسمانی سرگرمیوں میں مشغول تھا جو ضروری اور فطری تھیں۔ یہ فطری حرکات بعد میں منظم جسمانی نظم و ضبط کی بنیاد بنیں۔ جسم نے ان کاموں کے مطابق خود کو ڈھال لیا، جس سے برداشت، طاقت، اور چستی پیدا ہوئی۔ ان ابتدائی حالات میں جسمانی اور ذہنی مضبوطی کوئی آسائش نہیں بلکہ بقا کی ضرورت تھی۔ یوں جسمانی اور ذہنی صحت کی جڑیں انسانی تہذیب کے ابتدائی ادوار تک جا پہنچتی ہیں۔

2۔ صحت کے تصور کی ارتقا: جیسے جیسے انسانی معاشرے ترقی کرتے گئے، ویسے ویسے صحت کی سمجھ بھی بہتر ہوتی گئی۔ ابتدائی دور میں صحت کا مطلب صرف درد یا ظاہری بیماری کی عدم موجودگی تھا۔ مگر جب روایتی طبی نظام اور ثقافتی عقائد سامنے آئے تو صحت کا تصور اندرونی توازن سے جڑ گیا۔ یعنی جسم کے اندر اور انسان و ماحول کے درمیان توازن۔

قدیم تہذیبیں جیسے ہندوستان، مصر، اور چین، صحت کو مجموعی نقطۂ نظر سے دیکھنے لگیں۔ بیماری صرف جسمانی خرابی نہیں بلکہ قدرتی ہم آہنگی میں خلل سمجھی جاتی تھی۔ اس نقطۂ نظر نے ایسے علاجی طریقوں کو جنم دیا جو فطری ذرائع سے توازن بحال کرنے پر مرکوز تھے جیسے جڑی بوٹیاں، خوراک کی پابندیاں، آرام، اور صفائی کے طریقے۔

یہ روایتی بصیرتیں قدیم طبی نظاموں کی بنیاد بنیں، جیسے آیوروید اور روایتی چینی طب، جن کے مطابق صحت ایک متحرک توازن ہے جو جسم، ذہن، اور روح کے درمیان قائم ہوتا ہے۔

3۔ قدیم تہذیبوں کا سرگرم طرزِ زندگی: قدیم معاشروں میں روزمرہ کی زندگی خود ایک جسمانی سرگرمی تھی۔ لوگ ہاتھ سے کام کرتے، پیدل سفر کرتے، کھیتی باڑی کرتے اور مختلف قسم کی جسمانی محنت میں مشغول رہتے۔

یہ فطری افعال طرزِ زندگی جسمانی صحت کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔ شکار کے لیے چستی، طاقت اور ہم آہنگی ضروری تھی۔ زراعت میں برداشت اور مسلسل محنت درکار تھی۔ دستکاری اور تعمیرات میں مہارت، توجہ اور پٹھوں کی مشق شامل تھی۔ چونکہ زندگی خود جسمانی سرگرمی سے بھرپور تھی، اس لیے کسی مصنوعی ورزش کی ضرورت نہیں تھی۔

یہ مسلسل فطری حرکات دل کی صحت، پٹھوں کی طاقت اور جوڑوں کی لچک کو برقرار رکھتی تھیں۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ طرزِ زندگی ذہنی چوکسی اور جذباتی توازن کو بھی فروغ دیتی تھی، کیونکہ جسمانی محنت دماغ میں کیمیائی توازن پیدا کرتی ہے۔ یوں جسم اور ذہن ایک مربوط نظام کے طور پر کام کرتے تھے۔

4۔ ریاضت، یوگا اور دیگر انسانی سرگرمیاں: جسمانی مشقت کے علاوہ، ابتدائی انسانی تہذیبوں میں روحانی اور رسمی طریقے بھی وجود میں آئے جن میں نظم وضبط پر مبنی جسمانی حرکات شامل تھیں۔ یوگا جیسے منظم نظام کے ظہور سے قبل بھی مختلف قسم کی ریاضتیں موجود تھیں۔ ایسی مشقیں جو جسمانی مہارت اور روحانی ترقی کے لیے کی جاتی تھیں۔ ان میں سجدے، مراقبے کی حالتیں، ذکر واذکار، سانس کی پابندی اور عبادت کے دوران مخصوص حرکات شامل تھیں۔ اگرچہ ان کو 'یوگا' نہیں کہا جاتا تھا، لیکن ان کا مقصد وہی تھا: جسم اور ذہن کا ربط، باطنی شعور کی پرورش، اور فطرت سے ہم آہنگی۔ یہ قدیم سرگرمیاں یوگا کے طور پر پہچانے جانے والے نظام کی فکری اور عملی بنیاد بنیں۔

5۔ یوگا یا ریاضت کے تصور کا ارتقا: یوگا کے منظم نظم وضبط نے ہزاروں سال پہلے برصغیر میں شکل اختیار کی۔ ویدوں اور اُپنشدوں جیسے قدیم متون نے اس کی فکری بنیاد رکھی، جبکہ بعد میں 'پتنجلی کے یوگا سوتر' جیسے متون نے اس کو باضابطہ انداز میں مرتب کیا۔ یوگا صرف جسم کو کھینچنے یا لچکدار بنانے کا طریقہ نہیں تھا، بلکہ یہ ایک مکمل نظام تھا جس کا مقصد فرد اور کائناتی شعور کے درمیان اتحاد پیدا کرنا تھا۔

یوگا، یا کچھ روایات جسے ریاضت کہا جاتا ہے، روحانی شعور کے حصول کا راستہ تھا، لیکن اس میں جسمانی اور ذہنی صحت کے گہرے فوائد بھی شامل تھے۔ آسن (postures)، پرانایام (سانس کی مشقیں)، اور دھیان (مراقبہ) کو یکجا کر کے یوگا خود آگاہی اور خود نظم کا جامع علم بن گیا۔

6۔ یوگا یا ریاضت کا سائنسی تصور: وقت کے ساتھ یوگا کو صرف روحانی مشق نہیں بلکہ سائنسی طرزِ عمل کے طور پر بھی تسلیم کیا گیا۔ یوگا کے اثرات کو محسوس کیا، ناپا اور دہرایا جا سکتا ہے۔ یوگا جسمانیات، اعصابیات اور نفسیات کے اصولوں پر کام کرتا ہے، وہ بھی اس وقت سے جب یہ سائنسی علوم باقاعدہ موجود نہ تھے۔ یوگا میں سانس اور حرکت کا ہم آہنگ امتزاج جسم میں آکسیجن کی مقدار بڑھاتا اور خون کی روانی بہتر کرتا ہے۔ مراقبہ دماغی لہروں کے انداز کو بدلتا ہے اور دماغی لچک کو فروغ دیتا ہے۔

> ”وقت کے ساتھ یوگا کو صرف روحانی مشق نہیں بلکہ سائنسی طرز عمل کے طور پر بھی تسلیم کیا گیا۔یوگا کے اثرات کو محسوس کیا، ناپا اور دھرایا جا سکتا ہے۔ یوگا جسمانیات، اعصابیات اور نفسیات کے اصولوں پر کام کرتا ہے، وہ بھی اس وقت سے جب یہ سائنسی علوم باقاعدہ موجود نہ تھے۔یوگا میں سانس اور حرکت کا ہم آہنگ امتزاج جسم میں آکسیجن کی مقدار بڑھاتا اور خون کی روانی بہتر کرتا ہے۔مراقبہ دماغی لہروں کے انداز کو بدلتا ہے اور دماغی لچک کو فروغ دیتا ہے“

یوگا کا سائنسی پہلو مشاہدے اور باطنی تبدیلی پر زور دیتا ہے۔ جسم، ذہن، اور روح کی ہم آہنگی کوئی فلسفہ نہیں بلکہ ایک حقیقی تجربہ ہے، جو مخصوص طریقوں اور تسلسل سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔

7۔ جسمانی صحت میں یوگا اور ریاضت کی سائنسی اہمیت: جدید سائنسی تحقیقات یوگا کے جسمانی فوائد کی تصدیق کر چکی ہیں۔ باقاعدہ مشق سے جسم میں لچک آتی ہے، پٹھے مضبوط ہوتے ہیں،

جسمانی ساخت بہتر ہوتی ہے، اور قوت برداشت میں اضافہ ہوتا ہے۔ مخصوص آسن مختلف اندرونی اعضا کو تحریک دیتے ہیں، جس سے ہاضمہ، خون کی روانی اور ہارمونی توازن بہتر ہوتا ہے۔ پرانایام اعصابی نظام کو منظم کرتا ہے، خون کے دباؤ کو کم کرتا ہے اور پھیپھڑوں کی کارکردگی بہتر بناتا ہے۔ یوگا چوٹوں سے صحتیابی، نیند کے معیار کی بہتری، اور دائمی درد کے انتظام میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ یہ ہر عمر کے افراد کے لیے موزوں، کم اثر والی مگر جامع جسمانی مشق ہے۔

روایتی ورزشیں جہاں صرف پٹھوں یا دل کی صحت پر توجہ دیتی ہیں، وہیں یوگا پورے جسمانی نظام کو متحرک کرتا ہے، اور مکمل صحت کو فروغ دیتا ہے۔

8۔ جسمانی و ذہنی صحت کی تعریف: عالمی ادارۂ صحت کے مطابق: 'صحت کا مطلب صرف بیماری یا کمزوری کی غیر موجودگی نہیں، بلکہ جسمانی، ذہنی، اور سماجی طور پر مکمل فلاح و بہبود ہے۔' جسمانی صحت کا مطلب ہے کہ جسم کے تمام نظام مؤثر طریقے سے کام کر رہے ہوں اور انسان بغیر تھکن کے روزمرہ کے کام انجام دے سکے۔ ذہنی صحت میں جذباتی توازن، فکری وضاحت، اور نفسیاتی لچک شامل ہے۔ یہ دونوں پہلو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ جسمانی بیماری ذہنی صحت کو متاثر کرسکتی ہے، اور ذہنی پریشانیاں جسم کو متاثر کرسکتی ہیں۔ یوگا جیسا مربوط نظام انسان کو ایک اکائی کے طور پر دیکھتا ہے اور جسم و ذہن کے درمیان توازن پیدا کرتا ہے، جو پائیدار صحت کی بنیاد ہے۔

9۔ جسمانی صحت کے قیام میں یوگا اور ریاضت کا کردار: یوگا میں مختلف قسم کے آسن شامل ہیں جو جسم کو مضبوط، لچکدار اور متوازن بناتے ہیں۔ یہ حرکات جوڑوں کی حرکت پذیری کو بہتر بناتی ہیں، جسمانی ساخت کو درست کرتی ہیں اور طرز زندگی سے جڑی بیماریوں جیسے موٹاپا، کمر درد وغیرہ سے تحفظ فراہم کرتی ہیں۔ پرانایام پھیپھڑوں اور ڈایافرام کے لیے اندرونی ورزش کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ پھیپھڑوں کی صلاحیت بڑھاتا، آکسیجن کی مقدار کو منظم کرتا اور جسم سے زہریلے مادے خارج کرتا ہے۔ جب یوگا کو روزمرہ کی زندگی میں شامل کرلیا جائے تو یہ ایک پیشگی دوا کے طور پر کام کرتا ہے، جسمانی توانائی اور مزاحمت کو فروغ دیتا ہے۔

> **"یوگا کی سب سے بڑی طاقت اس کی غیر مداخلتی (Non-Invasive) اور غیر دوائی (Non-Pharmaceutical) فطرت میں پوشیدہ ہے۔ روایتی طب کے برعکس جو اکثر ادویات اور سرجری پر انحصار کرتی ہے، یوگا خود نظم و ضبط کے ذریعے شفا دیتا ہے۔ اس میں کسی سامان، نسخے یا دوا کی ضرورت نہیں ہوتی اور اس کے کوئی مضر اثرات نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ یوگا کو جدید طب کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے، خاص طور پر اُن دائمی بیماریوں کے لیے جن میں طرزِ زندگی کی بہتری ضروری ہوتی ہے۔ یوگا افراد کو اپنی صحت پر خود اختیار حاصل کرنے کی طاقت دیتا ہے اور اس میں احتیاط، شعور اور ذاتی ذمے داری پر زور دیا جاتا ہے۔"**

10۔ ذہنی صحت کے قیام میں یوگا اور ریاضت کا کردار: یوگا ذہنی صحت پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ باقاعدہ مراقبہ اور ذہنی بیداری کے طریقے اعصابی نظام کو پرسکون بناتے ہیں، کورٹی سول (تناؤ کا ہارمون) کی سطح کم کرتے ہیں اور جذباتی توازن کو بہتر بناتے ہیں۔ تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ یوگا ڈپریشن، بےچینی، اور بعد از صدمہ ذہنی دباؤ (PTSD) کی علامات میں نمایاں کمی کرتا ہے۔ مراقبہ مثبت جذبات سے متعلق دماغی حصوں کی سرگرمی کو بڑھاتا ہے اور خوف و تناؤ سے جڑے حصوں کی سرگرمی کو کم کرتا ہے۔ یوگا باطنی

شعوراور ذہنی سکون کوفروغ دے کر گہرے سکون اور نفسیاتی توازن کو جنم دیتا ہے۔

11۔ ریاضت اور یوگا کی غیر مداخلتی اور غیر دوائی خصوصیات:
یوگا کی سب سے بڑی طاقت اس کی غیر مداخلتی (Non-Invasive) اور غیر دوائی (Non-Pharmaceutical) فطرت میں پوشیدہ ہے۔ روایتی طب کے برعکس جو اکثر ادویات اور سرجری پر انحصار کرتی ہے، یوگا خود نظم وضبط کے ذریعے شفا دیتا ہے۔ اس میں کسی سامان، نسخے یا دوا کی ضرورت نہیں ہوتی اور اس کے کوئی مضر اثرات نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ یوگا کو جدید طب کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے، خاص طور پر اُن دائمی بیماریوں کے لیے جن میں طرزِ زندگی کی بہتری ضروری ہوتی ہے۔ یوگا افراد کو اپنی صحت پر خود اختیار حاصل کرنے کی طاقت دیتا ہے اور اس میں احتیاط، شعور اور ذاتی ذمے داری پر زور دیا جاتا ہے۔

12۔ جسمانی اور ذہنی صحت کے لیے یوگا اور ریاضت کا جدید تصور: موجودہ دور میں یوگا نے مختلف طبقات کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ارتقا کیا ہے۔ آج اسے فٹنس مراکز، صحت بحالی مراکز، دفاتر اور علاج گاہوں میں اپنایا جا رہا ہے۔ جدید یوگا تھراپی قدیم حکمت کو جدید طریقوں کے ساتھ ملا کر ذیابیطس، بلڈ پریشر، بے چینی اور دیگر طرزِ زندگی سے جڑی بیماریوں کا علاج کرتی ہے۔ صحت کے ماہرین یوگا کو ایک مفید ہولسٹک (جامع) علاج کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ اس میں سانس، ذہن اور جسم کے اشتراک سے ایک ایسا مکمل نظام موجود ہے جو جدید زندگی کی پریشانیوں اور غیر فعال طرزِ زندگی کا علاج پیش کرتا ہے۔ یوگا قدیم شفا یابی اور جدید صحت کے ماڈلز کے درمیان ایک مضبوط پُل فراہم کرتا ہے۔

13۔ جدید طرزِ زندگی میں قدیم تصورات کی اہمیت: یوگا جیسے قدیم طریقوں میں دوبارہ دلچسپی اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی افادیت وقت سے بالاتر ہے۔ آج کے تیز رفتار، ٹیکنالوجی پر مبنی ماحول میں یوگا ایک توازن، سادگی اور شعور کی طرف واپسی کی علامت ہے۔ قدرت کے ساتھ ہم آہنگی کا قدیم تصور آج کے دور میں اور بھی زیادہ اہم ہو گیا ہے کیونکہ جدید زندگی نے انسان کو جسم اور ماحول سے دور کر دیا ہے۔ اگر یوگا کی قدیم دانش کو جدید ضروریات کے مطابق ڈھالا جائے، تو یہ آج کے انسان کے لیے نہایت موزوں ثابت ہو سکتا ہے۔ چاہے صرف دس منٹ کی سانس کی مشق ہو یا مکمل طرزِ زندگی کی تبدیلی، یوگا کے اصول ہر جگہ اور ہر وقت لاگو کیے جا سکتے ہیں۔

14۔ صحت کی بحالی میں یوگا اور ریاضت کی حدود اور چیلنجز:
اگرچہ یوگا کے بے شمار فوائد ہیں، مگر اس میں کچھ چیلنجز بھی ہیں۔ بہت سے علاقوں میں تربیت یافتہ انسٹرکٹرز کی کمی یوگا کو عام لوگوں تک پہنچنے سے روکتی ہے۔ اس کے علاوہ، کمرشلائزیشن نے اصل روح کو متاثر کیا ہے اور بعض لوگ بغیر مناسب تربیت کے یوگا کر کے خود کو نقصان پہنچا لیتے ہیں۔ یوگا کی ساکھ اور معیار کو برقرار رکھنے کے لیے معیاری تربیت اور سند کا ہونا ضروری ہے۔ ثقافتی غلط فہمیاں اور سطحی تشریحات یوگا کے گہرے روحانی اور فکری پیغام کو دبا سکتی ہیں۔ اس کے پورے فوائد حاصل کرنے کے لیے یوگا کو اخلاص، نظم وضبط اور درست رہنمائی کے ساتھ اپنانا چاہیے۔

یوگا صرف ایک فٹنس رجحان یا روحانی فلسفہ نہیں بلکہ ایک جامع نظامِ صحت ہے۔ قدیم تہذیبوں سے لے کر آج کے عالمی منظرنامے تک، یوگا نے ہمیشہ جسمانی و ذہنی بہبود کے میدان میں اپنی اہمیت ثابت کی ہے۔ توازن، شعور اور ہم آہنگی پر اس کا زور ہمیں ایسی پائیدار صحت کی طرف لے جاتا ہے جو وقتی علاج سے بالاتر ہے۔ اگر ہم یوگا کو اس کی اصل روح کے ساتھ اپنائیں اور اس کی جدید صورتوں کو بھی قبول کریں، تو ہم اپنے جسم، ذہن اور روح کے درمیان ایک گہرا توازن دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔ بلاشبہ، یوگا جسمانی و ذہنی فلاح و بہبود کا سب سے مؤثر اور قابلِ رسا راز ہے۔

❑❑❑

Dr. Sadia Zahid
301,United Apartment
B-28/6,Shaheen Bagh
Okhla, New Delhi-110025
drsadiazahid201@gmail.com

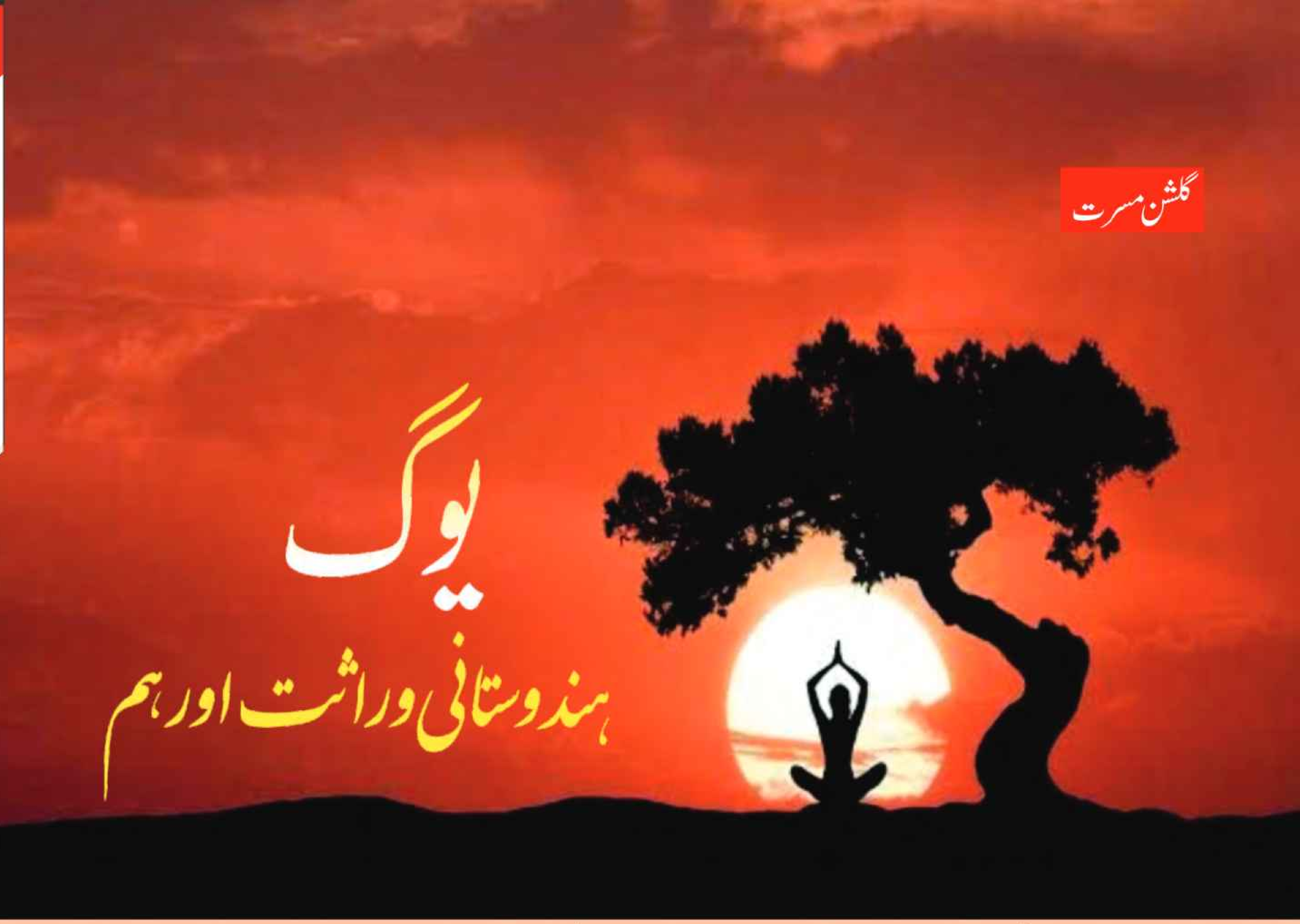

یوگ
ہندوستانی وراثت اور ہم

گلشن مسرت

مشہور یونانی شاعر یوہنل کا قول ہے کہ:۔

(Orandum est ut sit mens sana in corpore sano)

(Healthy body is healthy mind)

صحت مند جسم ہی صحت مند دماغ ہے۔

دنیا کے ہر معروف اور مہذب معاشرے میں جسمانی طہارت اور تندرستی کو فوقیت حاصل ہے۔Health well being کا موضوع ہر مذہبی ثقافت کا مرکز نظر ہے ۔مذہب اسلام میں بالخصوص طہارت کو مضبوط ایمان کی علامت سے متصف کیا گیا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں بارہا ذہنی اور جسمانی صحت کی اہمیت اور اس کی حفاظت کا ذکر شامل ہے۔موجودہ صدی تغیرات اور تجربات کی صدی ہے لیکن اس کے باوجود ہم جب بھی اپنی تاریخی وراثت کا رخ کرتے ہیں تو ایسے ایسے گہرے نایاب ہماری جھولی میں نظر آتے ہیں جن کی چمک نے نہ صرف ہماری آنکھوں کو روشنی بخشی بلکہ تمام عالم اس کے نور سے پر نور ہو گیا۔

ہندوستان دنیا کی ان قدیم تہذیبوں میں سے ایک ہے جس کے علم وکمال کی تاریخ ہزاروں سالوں پر محیط ہے۔تہذیب وثقافت علم ولیاقت ،طب و ریاضت ،ادب،شاعری ،ڈرامہ، رزم تا بزم ہندوستانی تاریخ ہر طرح سے باکمال اور بے مثال ہے۔اس سلسلے کی اہم کڑی جس نے دور حاضر میں ہندوستانی تہذیب وثقافت کو بین الاقوامی سطح پر مقبولیت عام عطا کی وہ یوگ ہے ۔تاریخ انسانی کا ہر تہذیب یافتہ معاشرہ انسانی فلاح و بہبود کی خاطر انسانی صحت اور ایسے سازگار ماحول کو لازمی تصور کرتا ہے جو انسان کی جسمانی، ذہنی اور روحانی صحت کو اولیت عطا کرتے ہیں۔

جب ہم یوگ کی بات کرتے ہیں تو اس بات کا علم بھی ضروری ہے کہ یوگ ہے کیا؟ اس کی ابتدا کس طرح سے ہوئی اور ہندوستانی اور بین الاقوامی سطح پر اس کی اہمیت کیا ہے؟۔یوگا لفظ سنسکرت کے لفظ یوگ سے ماخوذ ہے جس کے معنی انفرادی شعور کے ہیں۔بنیادی طور پر یوگ کے معنی جوڑنا یا اتحاد سے بھی لیے جاتے ہیں۔یوگ کی یہ تعریف اس لیے بھی زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے کہ تاریخی شواہد کی روشنی میں یوگ کا مطالعہ کریں تو یوگ کو جسم اور روح کے مابین ہم آہنگی کی ایک حیرت انگیز سائنس سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ہندوستان میں یوگ کی تاریخ پانچ ہزار سال کے قدیم عرصے پر مشتمل

ہے۔ ہندوستان میں یوگ کی ابتدا2700 قبل مسیح اور ویدک دور میں ہوئی ۔شیو کو آدی یوگی کہا گیا ہے یعنی شیو پہلے یوگی ہیں جنھوں نے اپنے سات شاگردوں کو یوگ کی تعلیم دے کر پہلے یوگ گرو کا درجہ حاصل کیا۔ یوگ کی قدیم تاریخی وراثت ویدک دور سے پتنجلی کے دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ یوگ سوتر کے نام سے مہارشی پتنجلی کی زخیم کتاب بھی موجود ہے جس کے بارے میں عام خیال ہے کہ یہ کتاب 2200 سال قبل وجود میں آئی۔

یوگ کا مقصد محض جسمانی مشق نہیں بلکہ انسان کو اپنے اندرون،فطرت اور خالق سے جوڑنا ہے۔ یوگ انسان کے ذہنی سکون، روحانی بالیدگی اور اندرونی ہم آہنگی کا ایک مکمل نظام ہے۔

یوگ انسانی زندگی پر گہرے اور ہمہ گیر اثرات مرتب کرتا ہے، کیونکہ یہ صرف جسمانی مشقوں تک ہی محدود نہیں، بلکہ اسے ایک مکمل طرزِ زندگی (Way of Life) کے طور پر دیکھا جانا چاہیے جو جسم، ذہن، اور روح کی ہم آہنگی پر زور دیتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یوگ انسانی زندگی کے لیے ضروری کیوں ہے۔ اس سوال کے جواب کے لیے ہمیں تاریخی پرتوں کو کھولنے کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ یوگ کی تاریخ پانچ ہزار سال پرانی ہے یوگ کی جڑیں قدیم ویدک صحیفوں میں پائی جاتی ہیں۔ خاص طور پر رگ وید، اتھر وید اور اوپنشد میں یوگ سے متعلق نظریات، جس میں دھیان (مراقبہ) اور آتما یعنی (روح) پر زور دیا گیا ہے۔ مہابھارت کے دور میں بھگوت گیتا میں شری کرشن نے یوگ کی تین اقسام بیان کی ہیں۔ ان پر چل کر راہ نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ ان میں پہلا ہے کرم یوگ یعنی اپنے فرائض اور اعمال کو بغیر کسی ذاتی مفاد کے انجام دینا، بغیر کسی لالچ اور نتائج کی فکر کیے کام کرتے رہنا ہی کرم یوگ ہے۔ اس کی تعلیم بھگوت گیتا میں ’کرم کرو پھل کی اچھا نہ کرو‘ کے مقولے پر مبنی ہے۔ جو بے غرض خدمت خلق کی تلقین کرتا ہے۔ دوسرا ہے گیان یوگ جو خود شناسی، فلسفہ حیات، اور ذات (آتما) کی پہچان کے ذریعے حصول نجات کی ترغیب دیتا ہے جس سے انسان میں غور و خوض کی اہمیت اور ذہنی ارتکاز میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ بھکتی یوگ خدا سے سچی محبت، بھروسہ اور عبادت کے ذریعے نجات کا راستہ ہے۔ یہ تمام یوگ، یوگ کے فلسفے کو عام زندگی سے جوڑنے کی سعی کے طور پر رائج کیے گئے۔

قدیم ہندوستانی فلسفی مہرشی پتنجلی نے ’یوگ سوترا‘ جیسی زخیم کتاب ترتیب دے کر ’آشٹانگ یوگ‘ (آٹھ اعضوعاتی مشق پر مشتمل یوگ) کو ایک سسٹمیٹک شکل عطا کی جس میں۔ یم، نیم، آسن، پرانایام، پرتیہار، دھیان، دھارنا، سمادھی وغیرہ آشٹانگ یوگ کے اہم ستون ہیں۔ دور وسطہ میں تنتر اور ہٹھ یوگ کو ناتھ سنتوں نے روحانی ترقی اور جسمانی صحت کے حصول کی خاطر اختیار کیا۔ گورکھ ناتھ اور سوامی سوامیانند جیسے سنتوں نے اسے مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ 19 ویں صدی کے اواخر اور 20 ویں صدی کے ابتدائی دور کے ہندوستانی فلسفے اور روحانیت میں دلچسپی رکھنے والے مغربی مفکرین، فلسفیوں، اور محققین نے یوگ کو دریافت کرنے میں دلچسپی ظاہر کی۔ یوگ کو مغرب سے متعارف کروانے والوں میں سوامی وویکانند، سوامی شیوآنند، پرم ہنس یوگانند جیسے بڑے یوگیوں نے اہم کردار ادا کیا اور دنیا بھر میں ہندوستان کی نئی اور منفرد شناخت قائم کی۔

مغربی دنیا میں یوگ کی اہمیت وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی ہے۔ مغربی دنیا میں یوگ کو زیادہ تر فزیکل فٹنس، ذہنی سکون، اور طرز زندگی کے طور پر اپنایا جا رہا ہے۔ اگرچہ اس کی جڑیں روحانیت اور فلسفے میں پیوست ہیں۔ پر انتشار زندگی کی کشمکش، روز مرہ کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات اور اس دوڑ بھاگ بھری زندگی کے نتیجے میں پیدا شدہ ذہنی دباؤ اور اس سے ہونے والی بیماریاں موجودہ عہد کے سب سے اہم مسائل میں سے ایک ہیں جنھوں انسانی زندگی پر گہرے منفی اثرات مرتب کیے ہیں، یوگ نہ صرف ایک فٹنس کا طریقہ کار بلکہ ذہنی و جذباتی توازن قائم رکھنے کے مؤثر طریقے کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔ یوگ کو بعض بیماریوں جیسے کہ کمر درد، ہائی بلڈ پریشر، بے خوابی، اور ڈپریشن کے علاج میں معاون پایا گیا ہے۔ خاص طور پر ’Mind-Body Medicine‘ کے شعبے میں یوگ نے جسمانی صحت کے ساتھ ساتھ زندگی کے ہر اس

گوشے کو متاثر کیا ہے جو انسانی صحت، زندگی اور سماج سے تعلق رکھتا ہے۔

یوگ کے اہم رکن آسن اور پرانایام کہلاتے ہیں۔آسن یعنی جسمانی مشق اور پرانایام (سانس کی مشقیں) انسانی جسم کو طاقتور، لچکدار، اور متوازن بنانے میں معاون ہیں۔ یہ سانس اور ہاضمے کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ خون کی روانی کے نظام کو بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔جسمانی قوت کے ساتھ ہی یوگ مراقبہ یعنی میڈیٹیشن اور سانس کی مشقیں ذہن کو پرسکون کر کے تمام ذہنی مسائل پر قابو پانے کا بہترین ذریعہ ہے۔اس سے غصہ، بے چینی اور ڈپریشن کو کم کیا جا سکتا ہے ۔یوگ نے تزکیہ نفس کا راستہ دکھایا جو نفس میں پنپنے والی تمام تر برائیوں حسد ، انا، بغض وعناد سے اوپر اٹھ کر عرفان ذات سے متعارف کروانے کا بہترین راستہ ہے۔یوگ میں 'یَم' اور 'نِیَم' جیسے اصول شامل ہیں، جو صداقت، عدم تشدد، قناعت، ضبط نفس، اور سچائی جیسے اخلاقی اصول پر توجہ دیتے ہیں، جو معاشرتی زندگی کو بہتر بنانے میں کارگر ہیں ۔مصروف زندگی مسائل سے بھرپور زندگی ذہنی دباؤ کا سبب ہوتی ہے لیکن زندگی میں یوگ ایک ایسا ذریعہ ہے جو انسان کو اندرونی طاقت اور سکون عطا کرتا ہے، جس سے وہ بہتر فیصلے اور متوازن طرزِعمل اختیار کرسکتا ہے۔یوگ صرف ایک مشق نہیں، بلکہ ایک فلسفہ ہے جو انسانی زندگی کو جسمانی، ذہنی، اور روحانی طور پر بھرپور اور بامقصد بناتا ہے۔

یوگ کے اہم رکن آسن اور پرانایام کہلاتے ہیں۔آسن یعنی جسمانی مشق اور پرانایام (سانس کی مشقیں) انسانی جسم کو طاقتور، لچکدار، اور متوازن بنانے میں معاون ہیں۔یہ سانس اور ہاضمے کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ خون کی روانی کے نظام کو بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔جسمانی قوت کے ساتھ ہی یوگ مراقبہ یعنی میڈیٹیشن اور سانس کی مشقیں ذہن کو پرسکون کر کے تمام ذہنی مسائل پر قابو پانے کا بہترین ذریعہ ہے۔اس سے غصہ، بے چینی اور ڈپریشن کو کم کیا جا سکتا ہے۔یوگ نے تذکیہ نفس کا راستہ دکھایا جو نفس میں پنپنے والی تمام تر برائیوں حسد ، انا، بغض وعناد سے اوپر اٹھ کر عرفان ذات سے متعارف کروانے کا بہترین راستہ ہے۔

انسانی زندگی کے لحاظ سے یوگ کی اہمیت نہ صرف ہندوستان بلکہ مغربی مملک تک اس کی اہمیت وافادیت ظاہر ہوئی ہے۔21 جون کو 'بین الاقوامی یوم یوگا' کے طور پر منانے کی منظوری دی گئی، جو یوگ کی عالمی اہمیت کی علامت ہے۔یوم یوگ کے لیے 21 جون کے انتخاب کی خاص وجہ یہ بھی ہے کہ اس دن ہندوستانی ثقافت کے مطابق موسم گرما میں محلول رہنے کے بعد، سورج دکھشنیان بن جاتا ہے۔اس دن شمالی نصف کرہ کو زیادہ سے زیادہ سورج کی روشنی ملتی ہے۔سال کے 365 دن میں سے 21 جون سال کا سب سے طویل دن ہوتا ہے۔کیونکہ 21 جون کو سورج جلد طلوع ہوتا ہے اور دیر سے ڈوبتا ہے۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر اس دور میں کوئی سادھنا کی جائے تو فطرت بھی انسان کے روحانی مقاصد کے حصول میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ 'عالمی یوم یوگ' کے لیے 21 جون کا انتخاب کیا گیا۔

ہندوستان کے موجودہ وزیراعظم عزت مآب جناب نریندر مودی نے 27 ستمبر 2014 کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں خطاب کے دوران یوم یوگا کی تجویز پیش کی تھی جسے 177 ممالک کی حمایت حاصل ہوئی۔اس کے بعد 11 دسمبر 2014 کو وزیراعظم عزت مآب جناب نریندر مودی کی اس قرارداد کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے اکثریت سے منظور کیا۔UN کی تاریخ کی یہ سب سے زیادہ حمایت یافتہ قراردادوں میں سے ایک تھی۔یونائیٹڈ نیشنز نے 2014 میں 21 جون کو بین الاقوامی یوم یوگا کے طور پر تسلیم کیا، جو ہندوستان کے لیے

ایک اہم کامیابی ہے۔اس کے بعد 21 جون 2015 کو پہلی مرتبہ" بین الاقوامی یوم یوگا" منایا گیا۔پہلے" بین الاقوامی یوم یوگا " کے دن صرف دہلی کے راج پتھ پر 35,000 سے زائد افراد نے شرکت کی اور یوگا کیا،جس میں وزیر اعظم عزت مآب جناب نریندر مودی بھی شریک تھے۔یہ ایک عالمی ریکارڈ تھا۔اس دن کو عالمی سطح پر منانے کی مہم نے ہندوستان کو یوگا کی قدیم روایت کا عالمی علمبردار بنا دیا۔دنیا کے 190 سے زائد ممالک میں بین الاقوامی یوم یوگا منایا جاتا ہے،جس سے یوگا کی عالمی سطح پر اہمیت کو مزید استقامت حاصل ہوئی۔ یوگا کی قدیم روایت ہندوستان کی ثقافت کا حصہ ہے۔ بین الاقوامی یوم یوگا کے ذریعے ہندوستان نے اپنے ثقافتی ورثے کو عالمی سطح پر متعارف کرایا ہے،جو کہ عالمی سطح پر ہندوستان کی پہچان کو مستحکم کرتا ہے۔

یوگا جسم، دماغ، روح اور فرد کی توانائی کی سطح پر کام کرتا ہے۔ یوگ تمام عالم کو ہندوستان کا تحفہ ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ یوگا ایک ایسی نعمت ہے کہ اگر زندگی میں اس پر عمل کیا جائے تو انسان صحت مند ہونے کے ساتھ ساتھ مثبت توانائی سے بھی لبریز ہوجاتا ہے۔ یوگ ایک ایسی سائنس ہے جو انسان کو ذہنی، جسمانی اور جذباتی طور پر مضبوط بناتا ہے۔یوگا جدید دور میں تناؤ اور اضطراب کو کم کرنے کا علاج ہے۔

19 ویں بین الاقوامی یوم یوگا 2025 کے لیے تھیم 'یوگا فار ون ارتھ، ون ہیلتھ' کا اعلان کیا گیا ہے۔ بین الاقوامی یوم یوگا 2025 کی 100 روزہ افتتاحی تقریب 'یوگ مہوتسو 2025 کا افتتاح وزارت آیوش کے زیر اثر عمل میں آیا۔ 2025 کے بین الاقوامی یوم یوگا جسے یوگ مہوتسو کے طور پر منایا جارہا ہے اس کی خاص بات یہ ہے کہ ہندوستانی عالمی قیادت کو تقویت پہنچانے کی غرض سے اس میں ماہرین طب اور سائنسی کو بھی شامل کیا گیا ہے۔طب اور سائنسی تحقیق کے شعبوں کے نامور ماہرین کی شرکت نے علمی اشتراک کے ایک اہم پلیٹ فارم کے طور پر کام کیا ہے ،جس نے یوگا کی سائنسی اور طبی صلاحیت کو تقویت بخشی اور یوگا 2025 کے عالمی دن کا ایک عظیم الشان اور موثر طریقے سے آغاز ہوا۔ ہندوستانی خلائی تحقیقی ادارہ (ISRO) 'یوگا فار اسپیس' کے تحت یوگا کی مشقوں کا انعقاد کرے گا، جس میں خلائی سائنسداں اور عملہ حصہ لیں گے۔ یوگا کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے تعلیمی اداروں میں سیمینارز، ورکشاپس اور ثقافتی پروگرامز کا انعقاد کیا جائے گا۔ بین الاقوامی یوم یوگا 2025 میں دنیا بھر سے لاکھوں افراد کی شرکت متوقع ہے، جو یوگا کی عالمی مقبولیت اور اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ بین الاقوامی یوم یوگا نے نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے تمام خطوں میں یوگا کی مقبولیت کو فروغ عطا کیا ہے۔ اس نے ہندوستانی قدیم وراثت کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ تمام دنیا کو اس کی اہمیت وافادیت کے اعتراف پر مجبور کر دیا۔اقوام متحدہ سے منسلک تمام ممالک میں یہ دن نہایت جوش وخروش سے منایا جاتا ہے۔ پارکوں، اسکولوں، کالجوں، اسپتالوں اور سرکاری اداروں میں بڑے پیمانے پر یوگا کیمپوں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔اس دن لوگ مختلف یوگا گروؤں اور ماہرین کی رہنمائی میں اجتماعی طور پر یوگا کی مشق سے مستفیض ہوتے ہیں۔

بین الاقوامی یوم یوگا صرف ایک دن کی تقریب نہیں۔ یوگا کا یہ عالمی دن ہمیں یہ باور کرواتا ہے کہ انسانی زندگی کی سب سے اہم اور انمول شئے کیا ہے؟ خود ہماری اپنی زندگی جس کے لیے جسمانی اور ذہنی دونوں سطح پر صحت کا خیال رکھنا ہماری اولین ذمے داری ہے۔ یوگا انسان کو تذکیہ نفس کے ساتھ خود شناسی کی ترغیب بھی دیتا ہے۔ دنیاوی آسائشوں کے ساتھ اندرونی سکون کی ضرورت کی طرف توجہ مبذول کرانے کے ساتھ ان اقدامات سے بھی متعارف کرواتا ہے جو قلبی اور ذہنی سکون عطا کرتے ہیں۔ روزمرہ کی زندگی سے پیدا شدہ نامساعد حالات اور ذہنی دباؤ کو کم کر کے ایک صحت مند اور خوشگوار زندگی گزارنے کا طریقہ سکھاتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم یوگا کو اپنی روزمرہ کی زندگی کا حصہ بنائیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں تاکہ ایک صحت مند، پرامن اور خوشحال معاشرہ تشکیل پاسکے۔

❑❑❑

Dr. Gulshan Masarrat
347/161/16 Old Haider Ganj
Lucknow- 226017 (U.P)
E-mail:gulshan119@gmail.com

عریشہ تسنیم

سائنسی ایجادات میں خواتین

یہ ایک عام خیال ہے کہ سائنسی ایجادات کے نام پر سائنسی آلات اور ٹکنالوجی سے متعلق امدادی اوزار ہی لوگوں کے ذہن میں رہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سائنس صرف ریسرچ اور آپریشن کا نام ہے اور روزمرہ کی زندگی اور ان لوگوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے جو لوگ اس میدان سے واقف نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم صبح سے شام تک اپنے روزمرہ میں جن چیزوں کا استعمال کرتے ہیں ان میں سے زیادہ تر سائنس کی ہی ایجادات ہوتی ہیں۔ صبح میں گھڑی کے الارم سے لے کر رات میں سوتے وقت ٹیوب لائٹ آف کرنے تک ہر طرف سائنس ہی سائنس ہے۔ لہذا یہ کہنا غلط ہوگا کہ سائنس صرف ریسرچ تک محدود ہے۔

سائنس کی ان ایجادات میں (جن پر ہمارے روزمرہ کا انحصار ہے) مرد اور خواتین دونوں کا یکساں رول رہا ہے لیکن پدرسری معاشرے میں ہمارے ذہن میں پہلا نام مرد کا ہی آتا ہے۔ اسی لیے تو اسکول میں تھومس ایڈیشن (Thomas Edison)، جیمس واٹ (James Watt)، مائیکل فیراڈے (Michal Faraday)، الیکزنڈر فلیمنگ (Alexander Fleming)، نیوٹن (Newton)، آئنسٹین (Einstein) اور رائٹ بردرس (Wright Brothers) کا نام تو بتایا جاتا ہے لیکن میری کیوری (Marie Curie)، مارگریٹ ای۔ نائٹ (Margaret E. Knight)، ہیڈی لامار (Hedy Lamarr)، جوسفین کوکرین (Josephine Cochrane)، ماریا ٹیلکس (Mária Telkes)، فرینسس گیب (Frances Gabe)، اور بیولا لویز ہنری (Beulah Louise Henry) کے نام کا کوئی تذکرہ بھی نہیں کرتا ہے۔ خواتین نے ایجادات کی دنیا میں بے شمار خدمات انجام دی ہیں۔ سماجی اور ادارہ جاتی رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے۔ یہاں خواتین موجدین اور ان کی انقلابی ایجادات کی چند قابل ذکر مثالیں دی جارہی ہیں:

روزالینڈ فرینکلن (Rosalind Franklin): لندن کے ناٹنگ ہل میں 25/جولائی 1920 کو پیدا ہوئیں۔ انھوں نے ڈی این اے (DNA) کی ڈبل ہیلکس ساخت (double helix – structure) کی دریافت میں اہم کردار ادا کیا، جو ایکسرے کرسٹل گرافی

(Xray crystallography-) کے ذریعے ممکن ہوئی۔ ان کا کام جینیاتی مواد (genetic material) کو سمجھنے میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ 16/اپریل 1958 میں لندن کے چینسلی میں ان کا انتقال ہوا۔

ایڈا لوولیس (Ada Lovelace): ایڈا لوولیس کی پیدائش 10/دسمبر 1815 کو لندن میں ہوئی۔ انھیں پہلی کمپیوٹر پروگرامر کے طور پر جانا جاتا ہے۔ انھوں نے چارلس بیبج (Charles Babbage's) کے اینالیٹیکل انجن کے لیے ایک الگورتھم تیار کیا، جو جدید کمپیوٹنگ کی بنیاد ہے۔ 27 نومبر 1852 کو لندن کے میریلیبون میں ان کا انتقال ہوا۔

ہیڈی لامار (Hedy Lamarr): 9/نومبر 1914 کو ویانا (Vienna) آسٹریا میں پیدا ہوئیں۔ انھوں نے دوسری جنگ عظیم کے دوران فریکوئنسی ہاپنگ اسپریڈ اسپیکٹرم ٹیکنالوجی (Frequency hopping Spread Spectrum) ایجاد کی۔ یہ ایجاد آج کی وائرلیس کمیونیکیشن، بشمول وائی فائی (Wi-Fi) اور بلوٹوتھ (Bluetooth) کی بنیاد ہے۔ 19/جنوری 2000 کو 85 سال کی عمر میں فلوریڈا میں ان کا انتقال ہوگیا۔

گریس ہوپر (Grace Hopper): یہ ایک امریکی کمپیوٹر سائنسداں تھیں جو 9/دسمبر 1906 کو ریاست متحدہ کے نیویارک میں پیدا ہوئیں۔ انھوں نے پروگرامنگ زبانوں (programming languages) کے لیے پہلا کمپائلر (compiler) ایجاد کیا اور COBOL کی ترقی میں تعاون کیا جو ابتدائی اعلیٰ سطح کی پروگرامنگ زبانوں میں سے ایک ہے۔ 1/جنوری 1992 کو 85 سال کی عمر میں آرلنگٹن، ورجینیا میں ان کا انتقال ہوا۔

اسٹیفنی کوولیک (Stephanie Kwolek): کیولر (Kevlar) ایجاد کیا، جو ایک مضبوط ہلکا پھلکا مصنوعی فائبر ہے جو بلٹ پروف جیکٹس (Bulletpro of Vests) اور دیگر حفاظتی سامان میں استعمال ہوتا ہے۔

پٹریشیا بیتھ (Patricia Bath): 31/جولائی 1923 کو پنسلوانیا (یونائٹڈ اسٹیٹس) میں پیدا ہوئیں۔ انھوں نے لیزرفیکو پروب (Laserphaco Probe) کی ایجاد کی، جس نے موتیا بند (Cataract) کے آپریشن میں انقلاب برپا کیا اور لاکھوں افراد کی بینائی بحال کی۔ ان کا انتقال 18/جون 2014 کو ڈیلاویئر میں ہوا۔

گرٹرڈ ایلیون (Gertrude Elion): 23/جنوری 1918 کو نیویارک میں پیدا ہونے والی گرٹرڈ ایلیون نے لیوکیمیا (Leukemia)، ملیریا (Malaria)، اور ایڈز (AIDS) کے لیے جان بچانے والی ادویات تیار کیں۔ ان کی دوا سازی کے جدید طریقوں کے لیے 1988 میں انھیں Physiology میں نوبل انعام سے نوازا گیا۔ 21/فروری 1999 کو 81 سال کی عمر میں شمالی کیرولنا میں ان کا انتقال ہوا۔

ریچل کارسن (Rachel Carson): ریچل کارسن 27 مئی 1907 کو اسپرنگ ڈیل، پنسلوانیا میں پیدا ہوئیں۔ اگرچہ انھوں نے کوئی ایجاد نہیں کی، ان کی انقلابی کتاب سائلنٹ اسپرنگ نے جدید ماحولیاتی تحریک کو جنم دیا اور نقصان دہ کیمیائی ادویات (harmful pesticides) کے ضابطے کا باعث بنی۔ 14/اپریل 1964 کو 56 سال کی عمر میں سلور سپرنگ، میری لینڈ میں ان کا انتقال ہوا۔

مارگریٹ ای۔ نائٹ (Margaret E. Knight): انھیں پیپر بیگ مشین (Paper bag machine) کے لیے جانا جاتا ہے۔ ان کی پیدائش 14 فروری 1838 کو یارک مائن میں ہوئی۔ نائٹ نے ایک مشین تیار کی جو چپٹے نیچے والے کاغذی (flat bottomed paper bag) تھی، جس نے پیکیجنگ (packaging) کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔ ان کے پاس 20 سے زائد پیٹنٹ تھے اور انھیں female Edison کہا جاتا تھا۔ 12/اکتوبر 1914 کو ان کا انتقال ہوگیا۔

میڈم سی جے واکر (Madam C.J. Walker): واکر 1867 میں پیدا ہوئیں۔ انھوں نے افریقی امریکی خواتین کے لیے بالوں کی دیکھ بھال کی مصنوعات (Haircare products for African American women) تیار کیں اور امریکہ میں پہلی خود ساختہ خاتون کروڑ پتی پتیوں (first self made female - millionaires) میں شامل ہوئیں۔

میریئن ڈونوان (Marion Donovan): میریئن کو

Disposable diaper کے لیے جانا جاتا ہے۔ وہ 15/ اکتوبر 1917 کو فورٹ وین، انڈیانا میں پیدا ہوئیں۔ وہ اپنے بچوں کی گندی چادروں کو بار بار بدل کر تھک چکی تھیں۔ انھوں نے محسوس کیا کہ کپڑے کے ڈائپر اسپونج کے مقابلے میں زیادہ پانی کھینچتے ہیں جبکہ ربر پینٹ سے ڈائپر کے نشان پڑ جاتے ہیں۔ اس لیے انھوں نے اس کا بہتر حل تلاش کیا۔ انھوں نے اپنے شاور کارٹن (shower curtain) کو اتار کر اس کے ٹکڑے کاٹے اور ایک واٹر پروف ڈائپر کور میں سل دیا۔ یہ کشتی کی طرح دکھتا تھا اس لیے انھوں نے اسے بوٹر (Boater) کا نام دیا۔ اس طرح انھوں نے بچوں کی دیکھ بھال کے طریقوں میں انقلاب برپا کر دیا۔ 4 نومبر 1998 کو نیویارک میں ان کا انتقال ہوا۔

پیٹریشیا باتھ (Patricia Bath): 4 نومبر 1942 کو نیویارک میں پیدا ہونے والی ڈاکٹر باتھ ایک آپتھلمولوجسٹ (Ophthalmologist) تھیں اور میڈیکل پیٹنٹ حاصل کرنے والی پہلی افریقی امریکن خاتون تھیں۔ انھوں نے لیزر فاکو پروب (Laserphaco Probe) کی ایجاد کی جس نے موتیا کے علاج کو بہتر بنایا۔ 30/ مئی 2019 کو کیلیفورنیا میں ان کا انتقال ہوا۔

جوزفین کوچرین (Josephine Cochrane): 8/ مارچ 1839 کو پیدا ہوئی جوزفین کوچرین نے برتن دھونے کے دوران ٹوٹنے والے برتنوں سے تنگ آ کر 1886 میں پہلا ڈش واشر ایجاد کیا۔ ان کے ڈیزائن نے جدید ڈش واشرز (Modern Dishwashers) کی بنیاد رکھی۔ 3/ اگست 1913 میں شکاگو میں ان کا انتقال ہوا۔

ماریا ٹیلکس (Mária Telkes): 12/ دسمبر 1900 کو ہنگری میں پیدا ہونے والی ٹیلکس شمسی توانائی کی ایک پیشرو تھیں اور انھوں نے گھروں کے لیے پہلا شمسی توانائی سے چلنے والا احراری نظام اور دیگر شمسی توانائی سے چلنے والی ایجادات تیار کیں۔ آج ہمارے سامنے توانائی کے ذرائع کی کمی ہے۔ پیٹرولیم دھیرے دھیرے ختم ہو رہا ہے۔ گلیشئر پگھل رہے ہیں جس کی وجہ سے مستقبل میں Energy کے لیے ماریا ٹیلکس کے بنائے ہوئے آلات ہمارے روزمرہ کو آسان کریں گے اور ہم شمسی توانائی کے استعمال سے دوسرے ذرائع پر انحصار کرنے کے لیے مجبور نہیں ہوں گے۔ 2/ دسمبر 1995 کو اس خاتون سائنسداں کا انتقال ہوا۔

فرانسز گیب (Frances Gabe) نے ایک خود صفا کرنے والے گھر ایجاد self cleaning کے لیے ایک نظام پیٹنٹ کیا، جس میں بلٹ ان سپرنکلرز اور خشک کرنے کے میکانزم شامل تھے، جس کا مقصد گھریلو کاموں کو آسان بنانا تھا۔

1887 میں پیدا ہونے والی بیولہ لوئز ہیری (Beulah Louise Henry) کے پاس 100 سے زیادہ ایجادات تھیں، جن میں ویکیوم آئس کریم فریزر (vacuum ice cream freezer)، بغیر بوبن کی سلائی مشین (Bobbinless sewing machine)، اور ٹائپ رائٹرز (Typewriters) اور چھتریوں میں بہتری شامل تھیں۔ انھیں "لیڈی ایڈیسن" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ان کا انتقال 1973 میں ہوا۔

این تسوکاموٹو (Ann Tsukamoto): 6/ جولائی 1952 کو کلفورنیا میں پیدا ہوئیں۔ انھوں نے انسانی اسٹیم سیلز (stem cells) کو الگ کرنے کے عمل کا پیٹنٹ حاصل کیا، جس سے کینسر کی تحقیق اور ری جنریٹیو میڈیسن (regenerative medicine) میں ترقی ہوئی۔

کویتا شکلا (Kavita Shukla): فریش پیپر (FreshPaper) ایجاد کیا، جو ایک بایوڈیگریڈیبل (biodegradable) شیٹ ہے جس میں آ نامیاتی مصالحے (organic spices) شامل کیے گئے ہیں اور جو پیداوار کو طویل عرصے تک تازہ رکھتی ہے۔ یہ ایجاد عالمی سطح پر خوراک کے ضیاع (food waste) کو کم کرنے میں مدد دیتی ہے۔

فرانسس آرنلڈ (Frances Arnold): 25/ جولائی 1956 کو پیدا ہونے والی فرانسس آرنلڈ ایک امیریکی کیمیائی انجینئر ہیں۔ انھوں نے ڈائریکٹڈ ایوولوشن (Directed Evolution) پر کام کیا، جو پائیدار صنعتی عمل (sustainable industrial processes) کے لیے انزائمز تیار کرتا ہے۔ 2018 میں انھیں

کیمسٹری میں نوبل پرائز سے سرفراز کیا گیا۔

جینیفر ڈوڈنا (Jennifer Doudna): جینیفر ڈوڈنا 19 / فروری 1964 کو واشنگٹن ڈی سی میں پیدا ہوئیں۔ انھیں پہلے X–ray based structure کے لیے شہرت ملی۔ وہ CRISPR –Cas9، ایک انقلابی جین ایڈیٹنگ ٹیکنالوجی – gene -editing technolog)، کی شریک موجد بھی رہیں، جس نے طب، زراعت، اور جینیات کو بدل دیا۔

روزینا بجسی (Ruzena Bajcsy): روزینا بجسی 28 / مئی 1933 کو چکسلواکیہ میں پیدا ہوئیں۔ وہ ایک امریکی انجینئر اور کمپیوٹر سائنسداں ہیں۔ ان کا خصوصی میدان روبوٹکس (robotics) اور مصنوعی ذہانت (artificial intelligence) ہے۔ اس میدان میں ان کا کام مشین پرسیپشن اور میڈیکل امیجنگ میں نمایاں پیش رفت کا باعث بنا۔

کار کی ایجاد نے انسانی زندگی میں بڑی آسانیاں فراہم کیں۔ اس میں ڈرائیور کے سامنے لگے ہوئے شیشے پر ہم دو وائپر دیکھتے ہیں جو بارش یا شبنم کے قطروں کو صاف کرتے ہیں تاکہ ڈرائیور کو دور تک صاف دکھائی دے۔ ان وائپر کو مری اینڈرسن (Mary Anderson) نے 1903 میں ڈیزائن کیا، جو بعد میں آٹوموٹو انڈسٹری میں اپنایا گیا۔

ہم لوگ جب گھر سے باہر نکلتے ہیں تو اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ کپڑوں پر کسی قسم کی سلوٹیں نہ ہوں۔ اس کے لیے ہم کپڑوں پر استری کا استعمال کرتے ہیں۔ سارہ بون (Sarah Boone) ایک افریقی امریکی موجد تھیں۔ انھوں نے ایک بہتر اور پورٹیبل استری بورڈ (Improved ironing board) کا پیٹنٹ حاصل کیا جو آستینوں اور خمدار ملبوسات کے لیے خاص طور پر ڈیزائن کیا گیا تھا۔

ٹیبیتھا بیٹ (Tabitha Babbitt) جو شیکر کمیونٹی کی رکن تھیں۔ انھوں نے woodworking میں کارکردگی کو بہتر بنانے کے لیے سرکلر آری (circular saw) کی اختراع کی۔

کانچ (Glass) کا استعمال بہت سے کاموں میں کیا جاتا ہے۔ کیمرے کا لینس ہو یا عینک کا گلاس، کمپیوٹر کی اسکرین یا گاڑیوں کی ہیڈ لائٹ، ہر جگہ اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ شروع میں جو شیشے ہوتے تھے ان پر روشنی پڑنے پر وہ شعاعوں کو ریفلکٹ کرتے تھے لیکن کیتھرین برر بلوجیٹ (Katharine Burr Blodgett) نے پہلا غیر عکاس شیشہ تیار کیا، جو کیمروں اور عینکوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ماریا بیسلی (Maria Beasley) کے ڈیزائن کردہ فولڈ ہونے والے لائف رافٹ (Life raft) نے حفاظت میں اضافہ کیا اور اسے ذخیرہ (Dismantle) کرنا آسان بنایا، جس سے سمندری ایمرجنسیوں کے دوران زندگیاں بچائی گئیں۔

"آئرن وومن (Iron woman)" کے طور پر معروف جونز نے ہوائی ایل ڈورادو جونز (El Dorado Jones) نے جہاز کے لیے ایک ہلکا انجن ایجاد کیا اور خواتین کو انجینئرنگ کے شعبے میں قدم رکھنے کی ترغیب دی۔

ہیلن فری (Helen Free) نے گلوکوز کی نگرانی کے لیے سادہ ڈپ اینڈ ریڈ ٹیسٹ اسٹرپس تیار کیں، جس سے ذیابیطس کے انتظام میں انقلاب آیا۔ اس سے گھریلو ذیابیطس ٹیسٹ (Home diabetes test) کیا جا سکتا ہے۔

ان کے علاوہ ہیریٹ ولیمز رسل اسٹرانگ (Harriet Williams Russell) نے پانی کی بچت کے نظام (Water conservation systems) کی ایجاد کی۔ اسٹرانگ نے ڈیم اور ریزروائر کی تعمیر کے طریقے پیٹنٹ کیے جو آبپاشی اور سیلاب کے کنٹرول میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جین ویلیپرُ و- پاور نے ایکویریم ایجاد کیا، جس سے سمندری حیات کا مطالعہ کنٹرول شدہ ماحول میں ممکن ہوا۔

ایلس ایچ پارکر (Alice H. Parker) نے مرکزی حرارتی نظام (heating system) ایجاد کیا۔ انھوں نے گیس سے چلنے والے مرکزی حرارتی نظام کا پیٹنٹ حاصل کیا جو جدید گھریلو حرارتی نظام کے لیے ایک انوکھا قدم تھا۔

ورجینیا اپگار (Virginia Apgar) نے اپگار اسکور

(Apgar score) ایجاد کیا۔ڈاکٹر اپگار نے نوزائیدہ بچوں کی صحت کا فوری جائزہ تیار کیا جواب دنیا بھر میں ڈلیوری رومز میں معیاری طریقہ کار بن چکا ہے۔

ایڈتھ کلارک (Edith Clarke) نے کلارک کیلکولیٹر ایجاد کیا۔کلارک نے برقی انجینئرنگ کے مسائل حل کرنے کے لیے ایک گرافیکل کیلکولیٹر ایجاد کیا اور امریکہ میں پہلی خاتون برقی انجینئر بن گئیں۔

ڈاکٹر فلورنس سیبرٹ (Dr. Florence Seibert) نے ٹی بی ٹیسٹ (Tuberculosis test) کی دریافت کی۔سیبرٹ نے ایک قابل اعتماد ٹی بی اسکن ٹیسٹ تیار کیا جو آج بھی اس بیماری کی تشخیص کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ایلن ایگلن (Ellen Eglin) نے ایجاد: کپڑے نچوڑنے کا آلہ (Clothes wringer) بنایا۔یہ ایک افریقی امریکی خاتون تھیں،انھوں نے کپڑے نچوڑنے کے آلے کا ابتدائی ڈیزائن تیار کیا۔

بیٹے نیسمتھ گراہم (Bette Nesmith Graham) نے لیکوئڈ پیپر (Liquid Paper) کی ایجاد کی۔انھوں نے ایک قسم کا کریکشن فلوئڈ، ایجاد کیا،جس نے ٹائپنگ اور ایڈیٹنگ میں انقلاب برپا کر کیا۔

این مور (Ann Moore) نے سنگلی بیبی کیریئر (Snugli baby carrier ایجاد کیا۔افریقی بچوں کو اٹھانے کے طریقوں سے متاثر ہوکر مور نے پہلا ایرگونومک بیبی کیریئر ڈیزائن کیا۔

مذکورہ بالا سائنسدانوں میں صرف ایک (کویتا شکلا) کے والدین ہندوستان سے تعلق رکھتے تھے اور کویتا شکلا کے جرمنی میں پیدائش کے بعد وہ لوگ یونائیٹڈ اسٹیٹس منتقل ہو گئے۔ باقی تمام خواتین سائنسدانوں کا تعلق مغرب سے ہے۔ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ ہمارے ملک میں صلاحیت کی کوئی کمی نہیں ہے اس کے باوجود سائنس کے میدان میں عورتوں کی شراکت نہ ہونے کے برابر ہے۔یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔تاریخی تعصّبات اور سماجی توقعات نے اس عدم توازن کو شکل دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔کئی سالوں تک خواتین کو تعلیمی اور پیشہ ورانہ مواقع سے محروم رکھا گیا،جس کی وجہ سے ان کے سائنسی میدان میں داخل ہونے اور کامیاب ہونے کی صلاحیت محدود ہوگئی۔اس کے طویل مدتی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔وہ خواتین جو اس رکاوٹ کو عبور کرنے میں کامیاب ہوئیں،انھیں نہ صرف نظامی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا بلکہ سماجی دباؤ اور صنفی تعصّبات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

اس سب کے باوجود اگر کوئی خاتون سائنسداں اپنے میدان میں کوئی کام کرتی تو اسے پیٹنٹ تک رسائی سے محروم رکھا جاتا تھا۔خواتین اکثر مردوں کے زیر تسلط شعبوں میں کام کرتی تھیں، جہاں ان کی خدمات کو نظرانداز یا مرد ساتھیوں کے نام سے منسوب کیا جاتا تھا۔خواتین موجدین کو اپنی ایجادات تیار کرنے اور مارکیٹ کرنے کے لیے وسائل حاصل کرنے میں مشکلات کا سامنا رہا۔

اس ضمن میں ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ لڑکیوں کے لیے STEM تعلیم پر بڑھتا ہوا زور، ساتھ ہی سائنس کے اداروں میں زیادہ شمولیت پر زور دیا جا رہا ہے۔اور معاون ماحول کو فروغ دینے والی پالیسیوں کا آغاز ہو رہا ہے۔رہنمائی اور نیٹ ورکنگ کے مواقع خاص طور پر خواتین کو ان رکاوٹوں کو عبور کرنے میں مدد دینے میں اہم ہیں۔ادارہ جاتی اور سماجی سطح پر تبدیلی کے لیے مسلسل کوششوں کے ذریعے،ہم سائنس میں خواتین کی نمائندگی اور کامیابی میں مزید بہتری کی توقع کر سکتے ہیں۔آج، STEM تعلیم کے پروگراموں اور خواتین کے لیے پیٹنٹ سپورٹ جیسی پہلیں اختراعی میدان میں صنفی مساوات کو فروغ دینے کی کوشش کرتی ہیں۔ایسوسی ایشن فار ویمن ان سائنس اور ویمن انوینٹرز نیٹ ورک جیسی تنظیمیں دنیا بھر میں خواتین موجدین کی حمایت جاری رکھے ہوئے ہیں۔

❑❑❑

Dr. Arisha Tasneem
Assisntant Professor (Urdu)
P.G.Department of Urdu
Tilka Manjhi Bhagalpur University
Bhagalpur-812007 (Bihar)
Email id: arishatasneem@gmail.com

عرفانہ بیگم

تدریسی واکتسابی عمل میں جدید کاری

کسی بھی سطح پر اکتساب کا تصور بغیر تدریس کے اور تدریس بغیر معلم کے نامکمل ہی نہیں بلکہ ناممکن سمجھی جائے گی کیونکہ زندگی کے تمام پیشے پیشۂ تدریس کی کوکھ سے ہی جنم لیتے ہیں۔اس لیے فنِ تدریس کو ''اُم الفنون'' کہا جا سکتا ہے۔زندگی کا کوئی بھی شعبہ خواہ عدلیہ، فوج، سیاست، معاشیات، صحت، ثقافت، تعلیم، صحافت، فنِ تعمیر، فنونِ لطیفہ اور بیوروکریسی وغیرہ یہ تمام ایک استاد کی صلاحیتوں کی عکاسی کرتے ہیں۔اگر مذکورہ شعبہ جات میں عدل، توازن اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے تو یہ صالح اساتذہ کی تعلیمات کا پرتو ہے اور اگر اساتذہ کی تعلیمات میں کہیں کوئی نقص اور کوئی عنصر خلافِ شرافت و انسانیت آجائے تب وہ معاشرہ رشوت خوری، بدآمنی اور شر کی منہ بولتی تصویر بن جاتا ہے۔استاد کو ایک صالح معاشرے کی تعمیر میں کلیدی کردار کی انجام دہی کی وجہ سے ہی 'معمارِ قوم' کا خطاب عطا کیا گیا۔استاد معاشرے کے عمدہ اقدار کا امین ونگہبان ہونے کے ساتھ ساتھ ان اقدار کو آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کا ذریعہ بھی ہوتا ہے۔اساتذہ کے ہاتھوں میں معاشرے کے بناؤ اور بگاڑ کی کلید ہونے کی وجہ سے اس کا مقام دوسرے تمام پیشہ ور لوگوں کے مقابلے میں نمایاں اور بلند ہے۔

دیکھا نہ کوہ کن کوئی فرہاد کے بغیر
آتا نہیں ہے فن کوئی استاد کے بغیر

تدریس ایک معاشرتی اور جمہوری عمل ہے جس میں طالبِ علم کی شخصیت کا مکمل احاطہ کیا جاتا ہے۔تدریس کے ذریعے معلم نصاب، مضامین اور مواد میں ربط پیدا کرتا ہے تو دوسری طرف سماج کی قدروں کا احساس اور سماج کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔پیشۂ تدریس دراصل ایک حرکی اور ارتقا پذیر فن ہے جس میں طلبا کو مرکزی ومحوری حیثیت حاصل ہوتی ہے۔تدریس اُسی وقت موثر ومفید ثابت ہوتی ہے جب طلبا فعال کردار ادا کریں۔طلبا کو پوری آزادی حاصل ہو اور وہ خود تجربات سے علم حاصل کریں۔آج ہر مفکرِ تعلیم اس بات سے متفق ہیں کہ تدریس طلبا کی نفسیات سے ہم آہنگ ہونی چاہیے۔اس مقصد کے تحت حکومتِ ہند کا تعلیمی ویژن کچھ اس طرح ہے۔

''قومی تعلیمی پالیسی 2019 ایک ایسے ہندوستان مرکوز نظامِ تعلیم کا تصور رکھتی ہے جو سب کو اعلیٰ معیاری تعلیم فراہم

کر کے ہمارے ملک کو پائیداری کے ساتھ مساویانہ اور علم دوست سماج کا روپ دینے میں براہِ راست تعاون دے۔''

حکومت کی طرف سے اعلیٰ تعلیم کے لیے ایک نیا ویژن اور ڈھانچہ تجویز کیا گیا ہے جس کے تحت وسیع، باوسائل، فعال کثیر شعبہ جاتی ادارے وجود میں آئیں گے۔ موجودہ 800 یونیورسٹیوں اور 40,000 کالجوں کو تقریباً 15,000 ممتاز اداروں میں مجتمع کیا جائے گا۔ اعلیٰ تعلیم کے اس نئے ڈھانچے کی رو سے تدریس و تحقیق کے لیے وسیع، وسائل سے بھرپور، درخشاں اور خودمختار کثیر شعبہ جاتی ادارے قائم کیے جائیں گے۔ انھیں خاطر خواہ حد تک صلاحیتوں کی رسائی کے لیے راہ ہموار کی جائے گی، ساتھ ہی ساتھ مضبوط تعلیمی معاشرے کی تشکیل عمل میں آئے گی۔ اعلیٰ تعلیم کے تمام ادارے کثیر شعبہ جاتی ادارے بن جائیں گے جہاں سبھی شعبوں اور میدانوں میں تدریسی پروگرام شامل ہوں گے۔

مذکورہ بالا عملی اقدامات زبان اور دیگر مضامین کے طلبا کے لیے یکساں لاگو کیے گئے ہیں۔ ان اقدامات کی عمل آوری کے لیے اعلیٰ تعلیمی سطح پر علاقائی تعلیمی اداروں نے بھی کئی جدید تعلیمی سرگرمیوں کو نصاب کا حصہ بنایا ہے کیونکہ موجودہ دور میں تعلیم کا مقصد انسان کی شخصیت کی ہمہ جہت نشوونما ہے جو کہ اس کے جسمانی، ذہنی، جذباتی، سماجی، اخلاقی و اقداری پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے وہ تمام مشاغل جو کمرۂ جماعت کے اندر اور کمرۂ جماعت کے باہر انجام دیے جاتے ہوں جو طالبِ علم کی مختلف جہتوں کو فروغ دینے میں معاون و مددگار ہوں نصابی اور ہم نصابی سرگرمیاں کہلاتے ہیں۔ نئی تعلیمی پالیسی 2019 کے تحت اعلیٰ تعلیم میں یہ سرگرمیاں بہترین عملی قدروں (Best Practices) کے طور پر جانی جاتی ہیں۔ ان سرگرمیوں کی ضرورت و اہمیت پر تعلیمی کمیشن نے طرح کہا ہے۔

''یہ سرگرمیاں اتنی ہی نصاب کا جزو لاینفک ہیں جتنا کہ نصابی سرگرمیاں۔ اسی لیے انھیں مناسب طور پر منظّم کرنے کے لیے فکر اور احتیاط کی جانی چاہیے۔ اگر ان کا انعقاد مناسب طور پر کیا جائے تو وہ طلبا میں قابلِ قدر رویّوں اور صلاحیتوں کو فروغ دیں گے''

طالبِ علم کی ہمہ جہتی ترقی اور مؤثر تدریس کے لیے بہترین عملی اقدار (Best Practices) کچھ اس طرح ہیں۔ جو اعلیٰ تعلیمی سطح پر مدرس کے لیے اور ایک طالبِ علم کے لیے ضروری قرار دیے گئے ہیں۔

بہترین عملی اقدار BEST PRACTICES

I - معیار کا اضافہ۔ Quality Enhancement: طلبا کے تعلیمی معیار میں اضافے کے لیے اور طالب علموں کو فعال اور متحرک رکھنے کے لیے ان کی عملی قوتوں کو فروغ دیا گیا ہے جس کے لیے درج ذیل چیزوں کی شمولیت کو یقینی بنایا گیا۔

1. لامرکزیت اور نیٹ ورک۔ Decentralization and Networking: اعلیٰ تعلیمی سطح پر تعلیمی اور نصابی کاروائیوں کی مرکزیت کے علاوہ طالبِ علموں میں انتظامی صلاحیتوں کو فروغ دینے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ تعلیمی سال کے شروع ہوتے ہی اساتذہ اور طلبا کی صلاحیتوں کو مدِنظر رکھ کر ان کے گروپس بنائے جائیں اور ان میں تعلیمی اور انتظامی کاموں وذمے داریوں کو سونپا جائے جیسے ڈسپلن کمیٹی، لائبریری اور کلچرل کمیٹی، اسپورٹس کمیٹی، اینٹی ریاگنگ کمیٹی اور ہاسٹل کمیٹی وغیرہ ان کا سوپرویژن پرنسپل کو کرنا ہوگا اور ان کاروائیوں کے حصول اور ان کی جانچ کے لیے نیٹ ورک کی مدد لی جائے۔

2. شخصی کارکردگی۔ Performance Appraisal: تعلیمی مقاصد کی تکمیل اور اس کی حصول یابی کی جانکاری کے مقصد سے طالبِ علموں کے لیے یونیورسٹی کی طرف سے فیڈ بیک پروفارما (Feedback Proforma) ڈیزائن کیا جائے۔ اس فارمیٹ میں تعلیم، نصابِ تعلیم، تدریس اور تدریس میں اساتذہ کا رول، جانچ، طالبِ علموں کی تعلیمی ضروریات اور ان کی قابلیتوں وصلاحیتوں کے متعلق معلومات آن لائن بھرتی کر کے دوبارہ متعلقہ ایڈریس کو بھیج دینا ہے۔ طلبا کی یہ شخصی کارکردگی ان میں خود کی جانکاری Self Information، خود کی جانچ Self Evaluation، خوداعتمادی، اپنی آرا، مشورہ دینا جیسے عملی اقدار کو آزادانہ طور پر فروغ دینے کا موقع ملتا ہے۔ انھی بہترین عملی اقدار (Best Practices) کہا گیا ہے۔ انھیں فارمس کی بنیاد پر متعلقہ ادارہ یونیورسٹی/کالج، پرنسپل، اساتذہ اور طلبا کا معیار قائم کرتا ہے جس کے تحت مذکورہ افراد کو بہتر شخصی کارکردگی کے لیے

انعامات واعزازات سے نوازا جاتا ہے۔

3. مشاورت اور شکایت کا ازالہ۔ & Counselling: Grievances Redressal حصولِ تعلیم کے لیے طلبا کا ذہنی، جسمانی اور روحانی ارتباط ضروری ہے۔ اس کے لیے ان کی سماجی، معاشی اور نجی مشکلات و پریشانیوں کو کونسلنگ کے ذریعے جانا جا سکتا ہے یا مختلف قسم کی شکایات کی پوسٹنگ کے لیے اسپیشل EMail Id کے علاوہ (شکایتی ڈبے) Complaint Boxes بھی جگہ جگہ رکھے جائیں۔ مسائل ومشکلات کو رازدارانہ طریقہ سے حل کرنے کی کوشش کی جائے۔

4. مہمان لکچرز اور میدانِ سفر۔ & Guest Lectures: Field Trips معروف اور باصلاحیت شخصیتوں سے روبرو کروانا اور ان کے لکچرز کا انتظام کرنا، ان کے تجربات اور معلومات سے طلبا کو آگاہ کروانا۔ کلاس لیول، اسٹیٹ لیول اور نیشنل لیول کے سمینار اور ورک شاپ کا انعقاد کروانا۔ اپنے مضمون کی مہارت کے علاوہ دوسرے مضامین کی جانکاری کے مواقع فراہم کرنا اس کے لیے اسٹڈی ٹور منعقد کرنا اور سفر و سیاحت کا اہتمام کرنا۔

II- طلبا کی فلاح و بہبود کے اقدامات

Student Welfare Measures

5. بینک کاری اور انشورنس پہل۔ Banking & Insurance: initiativ وزیرِ اعظم کی طرف سے طلبا کے لیے ''جن دھن یوجنا اسکیم'' میں آن لائن زیرو اکاؤنٹس اپلائی کرنے کی سہولت دی گئی ہے اس کے علاوہ پوسٹ آفسوں میں بھی طلبا کے لیے یہ خاص سہولت رکھی گئی ہے۔ حکومت کی طرف سے بینک کے ذریعے طلبا کو دی جانے والی اسکالرشپ کے لین دین کی جانکاری ضروری ہے۔ طلبا کے معاشی مسائل کو دور کرنے اور ان میں معاشی انتظامی شعور کو فروغ دینے کے لیے بینک کاری اور انشورنس کے فوائد سے واقف کروانا ہوگا اس کے لیے پوسٹ آفس اور بینک کے Guest Lectures منعقد کر کے وسیع معلومات کے مواقع مہیا کرنے ہوں گے۔

6. سیکھتے وقت کمائیں Earn While You Learn: دورانِ تعلیم طلبا کو خود مکتفی بنانے اور ان میں معاشی شعور کو فروغ دینے کے لیے انھیں صنعت وحرفت سے جوڑنے کے مواقع فراہم کرنا ہوگا۔ الیکٹریکل ورک، پلمبرنگ، پینٹنگ، آرٹ اور کرافٹ، ٹیلرنگ، فیشن ڈیزائننگ، پریپریشن آف فوڈ اینڈ اسناکس وغیرہ پیشہ وارانہ مہارتوں کی جانکاری حاصل کرنا اور اس کو فروغ دینے کے مواقع بہم پہنچانا چاہیے۔

7. مسابقتی امتحانات کے لیے مفت کوچنگ۔

Free Coaching for Competitive Examinations: آج کل اردو زبان وادب کے طلبا کے لیے مسابقتی امتحانات میں کامیابی طلبا کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہے۔ اس سے نمٹنے کے لیے طلبا کو خاص تیاری کی ضرورت ہے۔ Communication skill, Soft skill, Analytical skill and General awarenes معلومات کے حصول کے لیے دوسرے سبجیکٹ کے اساتذہ اور طلبا کی مدد لینی چاہیے اور مذکورہ اسباق میں مفت کوچنگ کا انعقاد بھی ضروری ہے۔

8. متنوع طلبا کی سہولیات میں توسیع۔

Extended Fecilities to differently abled students بہتر تعلیمی اکتساب کے لیے ماحول کی ہم آہنگی ضروری ہے اس کے لیے مختلف اہل طلبا کو سہولیات فراہم کرنا۔ اردو زبان وادب کے جسمانی معذور طلبا کے لیے جدید اکتسابی سہولتیں فراہم کی جائیں جیسے بصارت سے محروم طلبا کے لیے Jaws and Kurzwel Software اور امتحان کے موقع پر Scribes کی فراہمی کے انتظامات کیے جائیں۔ کلچرل پروگرامس کے ذریعے اردو زبان وادب اور اردو تہذیب وثقافت کو پیش کرنا، زبان کے فروغ کے لیے اور عصری تناظر کے پیشِ نظر تحریری وتقریری مقابلے اور گیمس کے مقابلوں کا انعقاد کیا جائے جس میں قابل طلبا کی ہمت افزائی کے لیے انعامات واعزازات دیے جائیں۔

9. ادارہ کی ترقی کے لیے فارغ التحصیل طلبا۔

Alumni for Institution Development: ادارہ کی ترقی کے لیے فارغ التحصیل طلبا کا منظم ریکارڈ رکھا جائے۔ مشہور، شہرت یافتہ اور اونچے عہدوں پر فائز فارغین کو کالج کے پروگراموں میں مدعو کیا جائے ان کے ہاتھوں طلبا کے اعزازات واسنادات کی

تقسیم کی جائے اور موجودہ طلبا کے سامنے فارغ التحصیل طلبا کی تعلیمی ترقی کی مثالیں دی جائیں۔ فارغ طلبا سے ادارہ کی ترقی میں تعلیمی تعاون اور مالی تعاون کے لیے ہاتھ بٹانے کی درخواست کی جائے۔ ضرورت مند اور غریب طلبا کے لیے مالی امداد، قابل اور باصلاحیت طلبا کی ہمت افزائی کے لیے انعامات، تعلیمی ضروریات کی تکمیل کے لیے کمرۂ جماعت کی تعمیر، پلے گراؤنڈ، کیمپس وال یا انٹرنس گیٹ وغیرہ کی تعمیر بطور یادگار طلبائے قدیم سے کروائی جائیں۔ اس کے علاوہ کیمپس کی خوبصورتی بڑھانے کے لیے گارڈن اور مختلف قسم کے پودوں کی نگہداشت، کلرفُل پکچرس اور پینٹنگس کے ذریعے اردو زبان وادب اور تہذیب کے فروغ کے لیے طلبا کو مواقع دیے جائیں۔ کیمپس کی تزئین اور ادارہ کی ترقی کے لیے فارغ التحصیل طلبا کی امداد کو یقینی بنائیں۔

III - طلبا مرکوز کمرۂ جماعت۔

Learner Centered Classrooms

10. طلبا کے معیار کے حلقے۔ :Student Quality Circle طلبا کی قابلیت اور صلاحیت کو مدِ نظر رکھ کر ان کے گروپس بنائے جائیں اور مضمون واری سطح پر گروپ لیڈرس کو منتخب کیا جائے۔ مضمون کی سطح پر قابل اور باصلاحیت طلبا کو تدریس کے مواقع دیے جائیں۔ منتخب طلبا اپنے مضمون کی معلومات کو اساتذہ کی نگرانی میں اپنے ہم جماعت ساتھیوں سے شیئر کریں گے۔ جس کو 'طلبا کی تدریس' (Peer Teaching) بھی کہا جاتا ہے۔ اس طریقے سے مضمون سطح پر Slow Learners کی شناخت کی جاسکتی ہے اور ان کو ان گروپوں کی مدد سے کمزور مضامین میں ترقی دی جاسکتی ہے۔ جس کی باقاعدہ نگرانی اساتذہ کو کرنا ہوگا۔

11. ڈیجیٹل اسائنمنٹ۔ :Digital Assignment اردو زبان وادب کے معلم کو چاہیے کہ طلبا کو مختلف قسم کے عنوانات دے کر آن لائن طرز کے اسائنمنٹ دیے جائیں۔ اسائنمنٹ معلم کو طلبا Through Email Submit کرنا ہوگا۔ معلم طلبا کے ان assignments کی جانچ کرکے اس کو گریڈ دینا اور طلبا سے اس کا Feedback لینا ضروری ہے تاکہ آئندہ آن لائن طرز کے اسائنمنٹ کی رہنمائی ہوسکے۔ اس میں موجود زبان، مضمون، اندازِ بیان اور پیش کرنے کی خوبیوں اور خامیوں کی نشاندہی کرکے طلبا کو Through Email آگاہ کرنا اور آئندہ کے لیے مشورہ دینا ہوگا۔ Digital Assignment کا مقصد طالبِ علموں کو انٹرنیٹ اور کمپیوٹر سے جوڑنا اور اس کے استعمال کو یقینی بنانا ہے۔

12. آن لائن کورس۔ :Online Courses ادارہ اور اساتذہ کی ذمے داری ہے کہ وہ طلبا کو آن لائن کورس کی تعلیم سے مستفید ہونے کے مواقع فراہم کرے۔ اس کے لیے Computer lab with Internet fecility ہو۔ تاکہ طلبا کو مختلف علمی میدانوں میں اپنی معلومات بڑھانے کی سہولیات دی جائیں اس کے لیے طلبا اساتذہ کی رہنمائی میں موکس MOOCS میں موجود کئی آن لائن کورسس میں سے اپنی قابلیت اور دلچسپی کے پیشِ نظر کسی ایک کورس کا انتخاب کرکے کورس میں رجسٹریشن کروالیں۔ مقررہ مدت تک کورس سے جڑے رہیں اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔ اس کورس کی مدد سے طالبِ علموں کو مختلف علاقوں اور ممالک کے بہترین اساتذہ اور طلبا کے ساتھ معلومات کے حصول کے مواقع ملیں گے اور بہترین عصری ای۔ لائبریریوں سے بھی وہ مستفید ہوسکیں گے۔

13. ورچوئل لیاب۔ :Virtual Labs آج کے جدید تکنیکی دور میں درس وتدریس میں کئی تبدیلیاں رونما ہورہی ہیں جس کی بدولت کمرۂ جماعت کی ترتیب وتزئین بھی کی جارہی ہے تاکہ کمرۂ جماعت کو ای۔ کلاس روم بنایا جاسکے e.classroom کو Internet fecility ورچوئل لیبس Virtual Labs سے مزین کیا جائے گا۔ اس کے استعمال سے درس وتدریس کافی دلچسپ اور مؤثر ہو جاتی ہے۔ Virtual Labs سے تدریس کے اہم نکتوں اور گوشوں کو سمجھانے میں کافی مدد ملتی ہے۔ مختلف قسم کے قدیم وجدید مضامین اکابرین کے تصاویر اور ویڈیوز اور مختلف دبستانِ ادب جیسے تنقید، سوانح، افسانوی اور غیر افسانوی ادب اور شاعری وغیرہ کے متعلق معلومات Virtual Labs Internet fecility سے ممکن ہے۔

IV- تحقیقی ثقافت کی تشکیل۔

Creation of Research Culture

14. اساتذہ کی طرف سے پروجکٹ۔ Mentoring: Projects اساتذہ کی طرف سے طلبا کو پروجکٹ دیے جائیں۔ اساتذہ دیے گئے عنوان کی پوری طرح رہنمائی کریں۔ دیے گئے عنوان پر وسیع معلومات حاصل کرنے اور اس سے متعلق درکار مواد کے لیے طلبا کے گروپس بنائے جائیں۔ عنوان پر وسیع معلومات حاصل کرنے کے لیے ای۔ لائبریری کی کتابوں سے مدد لی جائے۔ پروجکٹ کی مدد سے طالبِ علموں کو روزگار سے جڑنے کے مواقع مل سکتے ہیں اور دوسرے اداروں کے ساتھ مفاہمت کی وجہ سے پروجکٹ میں توسیع کے امکانات ہو سکتے ہیں۔ پروجکٹ سے اعلیٰ تعلیم یعنی یونیورسٹی کی تعلیم میں تحقیقی شعور کو طلبا میں پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔ پروجکٹ کو جدید تحقیق و ترتیب کے ساتھ پیش کرنے میں طلبا کو اساتذہ کی رہنمائی درکار ہے۔

15. گھریلو مطبوعات In-house Publications: اعلیٰ تعلیمی سطح پر یعنی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں طلبا میں لکھنے کی قابلیت کو فروغ دینے کے لیے مختلف عنوانات پر اسائنمنٹ دیے جائیں۔ آرٹیکل لکھنے کے لیے طلبا کو عصری تناظر، سماجی حالات، کالج میں ہونے والے مشاغل، تعلیمی ذمے داریاں اور ان کے اپنے تجربات کی روشنی میں عنوان کا انتخاب کریں۔ اپنے تجربات، ذمے داریاں اور خیالات کی روشنی میں مضمون تحریر کریں اس ضمن میں افسانہ، ڈرامہ، مضمون، انشائیہ یا شاعری اور چھوٹی چھوٹی نظموں پر بھی طبع آزمائی کی جاسکتی ہے۔ تیار شدہ مواد کو میگزین کمیٹی کے حوالے کر دیا جائے کمیٹی نظرِ ثانی اور جانچ کے بعد کالج جرنلس، نیوز لیٹر، اور میگزین میں اسے جگہ دیں۔ طلبا کے لکھے ہوئے مضامین کو علاقائی میگزین سے اساتذہ طلبا کو بھرپور ہمت افزائی دیں اور ان کی رہنمائی کریں۔

16. صنعتی اداروں میں مداخلت۔ Industry - Institution: Interaction تعلیمی اداروں کو صنعت و حرفت سے جوڑا جائے۔ تعلیمی اداروں میں ہونے والے پروگرامس میں انڈسٹری کے MDs اور CEOs کو مدعو کیا جائے تا کہ طالبِ علموں میں صنعتی بیداری ہو اور صنعتوں کی اہمیت اور اس کی افادیت سے آگاہ کیا جاسکے۔ تعلیمی اداروں کو چاہیے کہ طالبِ علموں میں صنعتی شعور کو مستند کرنے کے لیے تمام گروپ کے طلبا کے لیے ایک مختصر مدتی ڈپلوما کورس کا اہتمام کیا جائے اس کے لیے Diploma Courses in Medical Transcription, Lab Technology and Certificate Courses in Communication Skills and Functional Grammer یہ کورس کسی بھی گروپ کے PG & UG فارغین کو کمپنیوں، انڈسٹریوں اور اداروں میں بہتر نظم و نسق اور کام کرنے کی صلاحیتوں کو فروغ دینے میں مدد کرتے ہیں۔ تعلیمی اداروں کا مختلف انڈسٹریوں سے MoU یادداشت مفاہمت رکھنا بھی ضروری ہے تا کہ ان صنعتوں اور مصنوعات کی کارکردگیوں کی بنیاد پر طلبا کو تیار کیا جاسکے اور آئندہ کسی بھی انڈسٹری میں روزگار کے مواقع مل سکیں۔

V. روزگار کے مواقع۔ Gateways ofEmployability

17. روزگار کے لیے کم قیمت تربیت کا انعقاد۔ Affordable: Training for Employability اعلیٰ تعلیمی سطح پر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے فارغین کو روزگار سے جوڑا جائے اس کے لیے انھیں دورانِ تعلیم ہی مواقع دیے جائیں یعنی تعلیمی ادارہ روزگار سے متعلق کورسس کی تربیت کا سستا اور مفت انتظام فراہم کرے Add-on courses, Certificate courses وغیرہ کورسس رکھے جائیں۔ Photoshop, Tally and courses inJournalism کا اہتمام کیا جائے۔ اس سے طالب علموں کے پروفیشنل کورسز میں اضافہ ہوگا۔ ان کورسز کو چلانے کے لیے ادارہ بہترین اساتذہ اور تربیت کا انتظام کرے۔

18. جگہ کے تعین کی اکائی۔ Placement Cel: ڈگری سالِ سوم طلبا کے نام Placement Cell میں رجسٹر کروائے جائیں۔ اور روزگار فراہم کرنے والی کمپنیوں کو کالج مدعو کیا جائے۔ ان کمپنیوں، انڈسٹریوں اور اداروں کے ذریعے کالج میں Placement

Drive رکھا جائے ۔ تا کہ طلبا کا Placement کروایا جائے اور انھیں مناسب روزگار کے مواقع مل سکیں ۔ پرائیویٹ کمپنیاں زیادہ تر Placement Drive چلاتی ہیں جس میں آسانی سے طالبِ علموں کو روزگار کے مواقع مل جاتے ہیں جس سے کالج کے فارغین کو بےروزگار ہونے سے بچایا جاسکتا ہے۔

VII. معاشرتی خدمت کے ذریعہ معاشرتی تعلقات۔

Social Bonding Through Community Service

19. شعور بیداری پروگرام۔Awareness Programmes: کالج مخصوص ایام کو منانے کا اہتمام کرے اور ان کی اہمیت اور ضرورت سے آگاہی کے لیے شعور بیداری پروگراموں کا انعقاد کرے۔ مخصوص ایام جیسے ادبی ایام، یومِ اکابرین، عالمی یومِ آبادی، ورلڈ ایڈس ڈے، عالمی یومِ ماحولیات، یومِ خواتین وغیرہ تا کہ ان شعبوں اور اداروں میں ہونے والی شدت اور سختی کو محسوس کر کے مسائل کا حل تلاش کیا جا سکے۔ان موقعوں پر کالج / یونیورسٹی کی طرف سے سمینار، بڑی شخصیتوں کو مدعو کرنا اوران سے لکچر لینا اس کے لیے شعبۂ صحافت، تعلیم اور فنونِ لطیفہ کی اہم شخصیتوں کو مدعو کیا جاسکتا ہے۔ اعلیٰ تعلیمی ادارے ریڈ رکلب کا آغاز کریں ۔ سماج میں ہونے والے سماجی، معاشی اور سیاسی مسائل سے واقفیت حاصل کریں۔عورتوں کی ترقی کے لیے، حقوق کے لیے،حساس مسائل کی فوراً عمل آوری کے لیے Women Empowerment Cell کا قیام ضروری ہے۔ NCC Units اور NSS کی مدد سے طلبا میں سماجی شعور کو بیدار کریں۔

20. مجھ سے سیکھیے پروگرام۔ Learn with Me Programme: مادری زبان کی تعلیم کو فروغ دینے اور نا خواندہ لوگوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کا یہ ایک بہترین موقع ہے۔ طلبا کے گروپس بنائے جائیں ۔ اپنے اطراف واکناف کے ناخواندہ افراد کی شناخت کریں اورانھیں تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کی کوشش کریں۔اس کے لیے ’’مجھ سے سیکھیے پروگرام۔ Learn with Me Programme‘‘ کے ذریعے تعلیمِ بالغاں اور ناخواندہ لوگوں کی تعلیم کا انتظام کرے۔ ہر طالبِ علم کو Each One Teach Ten Programme کی عمل آوری کرنی ہوگی جس میں ہر طالبِ علم کو پندرہ کلاسس کی ذمے داری دی جائے گی جو شام کے وقت اپنی سہولت کے حساب سے رکھے جائیں ان لوگوں کی درسی کتابوں کا انتظام شعبہ تعلیمِ بالغاں کرے گا ۔اس پروگرام کا مقصد تعلیم کو عام کرنا، ناخواندگی کو دور کرنا، بالغ لوگوں میں خواندگی کے شعور کو بیدار کرنا اور کم از کم تعلیمی سطح کا حصول جیسے لکھنا اور پڑھنا سکھانا۔اس کے ساتھ ساتھ روز مرہ ہونے والی بنیادی کاروائیوں کی تربیت جیسے موبائل فون اور ATM کا استعمال وغیرہ۔

اعلیٰ تعلیم کی سطح پر مندرجہ بالا اقدار کو بہترین عملی اقدار کے طور پر جانا جاتا ہے۔بہترین عملی اقدار Best Practices کا مقصد طلبا کی پوشیدہ تخلیقی صلاحیت کی جانکاری ہے۔تخلیقی صلاحیت سے مراد ہر ایک فرد میں موجود اس کی انفرادی صفت ہے جس کو مختلف تدریسی و اکتسابی طریقۂ کار کے ذریعے اجاگر کیا جاتا ہے۔تدریسی واکتسابی طریقۂ کار اور بہترین عملی اقدار طلبا کے ذوق وشوق میں تحریک پیدا کرتے ہیں جو ایک بہتر اکتسابی عمل کو فروغ دینے میں معاون و مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ تعلیم وتربیت ایک مسلسل عمل ہے اوراس عمل کو ایک مدرس ہی روبہ عمل لاسکتا ہے۔تدریس کو بہتر اور کارآمد بنانے کے لیے مختلف مہارتوں کی تربیت اور طریقۂ استعمال کو جو بہترین عملی اقدار Best Practices کے طور پر جانے جاتے ہیں نہ صرف درس وتدریس کے لیے کارآمد ہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں کے لیے یہ مستعمل ہیں۔ یہ طالبِ علم کی مکمل شخصیت کو اُبھارنے اور اسے ایک بہترین شہری بنانے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔

اقدارِ حسنیٰ درس و تدریس میں یوں منظور ہے
جیسے علم وعمل زندگی کی ہر شئے میں مستور ہے

□□□

Dr. Irfana Begum
Associate Professor
Head Dept of Urdu
K.V.R. Govt. College for women Autonomous
Kurnool-518004 (A.P)
E-mail: irfanabegum@kvrgdcwa.ac.in

مہتاب جہاں

نرگس جہاں
ایک نامور علمی شخصیت

پروفیسر نرگس جہاں ہندوستان کی مشہور و معروف یونیورسٹی، دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی کے۔ مایہ ناز اساتذہ میں سے ایک۔ وہ 4 اگست 1946 میں پرانی دہلی کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ اُن کے والد قاضی محمد سلام سادات خانوادے سے تھے اور دہلی میں مقیم تھے۔ اُن کی ملازمت ریلوے کے ڈیپارٹمنٹ میں تھی۔ اپنے وقت کے باسواد شخص تھے اور ایک مجلّہ ''بے داغ'' کے نام سے ہفتہ وار شائع کرتے تھے۔ آزادی کے متوالوں میں قاضی محمد سلام بھی شامل تھے اور بارہا قید و بند میں بھی مبتلا رہے اور بہت صعوبتیں اٹھائیں۔ نرگس جہاں کی والدہ محترمہ کا نام تھا قدوسی بیگم۔ وہ ایک وفا شعار پردہ دار شریف خانہ دار خاتون تھیں۔ نرگس صاحبہ ان کی دوسری اولاد تھیں۔ نرگس جہاں دس بہن بھائی تھے۔

1۔ نفس جہاں، 2۔ دوسری بہن نازک جہاں، 3۔ ان کے بعد محمد جہاں، 4۔ پھر نکہت جہاں، 5۔ نغمانہ جہاں۔

ان کے بھائیوں کے نام اس طرح ہیں:

1- محمد عزیز السلام، 2۔ محمد رفیق السلام، 3۔ محمد شفیق السلام، 4- محمد عظیم السلام، 5- محمد نجم السلام۔ نرگس جہاں کے تمام بھائی بہن علم کے زیور سے آراستہ و پیراستہ تھے، مگر اب صرف تین بہنیں اور صرف ایک بھائی باحیات ہیں۔

نرگس جہاں کی ابتدائی تعلیم پرانی دہلی کے اسکولوں، بلبلی خانہ میں ہوئی، بی۔ اے، اور ایم۔ اے انھوں نے دہلی کالج (جس کا نام اب ذاکر حسین دہلی کالج ہے) سے کیا۔ 1972 میں دہلی یونیورسٹی میں داخل ہوئیں اور اپنی پی۔ ایچ۔ ڈی مکمل کی۔ ان کی پی ایچ ڈی کے مقالے کا عنوان تھا ''تاریخ زبان و ادبیات فارسی در دورہ خلجیان''۔ 1976 میں انھیں پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض ہوئی۔ پھر ان کی درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا اور 1980 میں موقتی لیکچرار کی حیثیت سے شعبۂ فارسی میں آپ کا تقرر ہوا۔ اس کے کچھ عرصے بعد ہی آپ کا تقرر مستقل استاد کے طور پر شعبے میں ہو گیا۔ تدریسی مراتب میں بدستور اضافہ ہوتا گیا۔ 1985 میں سینئر لیکچرار ہوئیں۔ اس کے بعد 1994 میں ریڈر کی پوسٹ پر تقرر رہا۔ 2004 میں نرگس جہاں 'پروفیسر' کے عہدہ پر فائز ہوئیں۔

نرگس جہاں مختلف علمی انجمنوں کی مثلاً 'انجمن استادان فارسی' اور 'انجمن پژوھشگران فارسی' کی اہم رکن تھیں۔ اس کے علاوہ آپ کی علمی و تدریسی خدمات کے صلے میں حکومت ہند نے آپ کو 2005 میں پریسیڈینٹ کے ایوارڈ سے بھی نوازا۔ اس کے علاوہ صدر جمہور

ہند کی جانب سے آپ تین سال مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کی ایک فعال رکن نامزد ہوئیں۔ دیگر اسناد کے ساتھ ساتھ 5-2004 میں آپ شعبۂ فارسی کی صدر بھی رہیں اور اپنی ہیڈ شپ کے دوران انھوں نے شعبے کی فلاح و بہبودی کے لیے نمایاں کام انجام دیے۔ 2006 میں 39 سال کی تدریسی خدمات کے بعد آپ اس عہدے سے سبکدوش ہوئیں۔

نرگس جہاں کے درس و تدریس اور تحقیقی سفر کے دوران بارہ (12) شاگردوں نے ان کی رہنمائی میں ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ چار شاگردوں نے۔ ایم فل اور آٹھ شاگردوں نے اپنی پی ایچ ڈی مکمل کیں۔ اگر ان کے علمی اسفار کا ذکر کیا جائے تو انھوں نے ایران، پاکستان اور عرب ممالک کے کئی بار سفر کیے۔ زبانوں پر اگر قدرت کی بات کی جائے تو آپ کو اردو، ہندی (بہت اچھی طرح یہ زبانیں آتی تھیں) فارسی، انگریزی اور عربی سے بھی اچھی واقفیت تھی۔ اس کے علاوہ وہ سنسکرت، لنگوسٹک اور روسی زبان کو بھی اچھی طرح سے جانتی تھیں۔ ان زبانوں میں سرٹیفکیٹ اور ڈپلومہ کیا تھا۔ انھوں نے تین بار عمرہ کیا اور دو بار حج کے فریضے سے فیضیاب ہوئیں۔

ان کی علمی تصانیف و تالیفات اس طرح ہیں:۔

1- تاریخ زبان و ادبیات فارسی در دورہ خلجیان بہ زبان فارسی، یہ 1978 میں دہلی سے شائع ہوا۔

2۔ ترجمہ دستور زبان فارسی اثر پرویز ناتل خانلری ترجمہ اردو زبان میں 1992 میں کیا۔ یہ کتاب بھی شائع ہو چکی۔ معروف ایرانی مصنف و ادیب کی کتاب کا انھوں نے اردو میں ترجمہ کیا جو بہت مقبول ہوا اور طالب علموں نے اس سے بہت استفادہ کیا۔ آج بھی یہ کتاب دہلی یونیورسٹی کی سینٹرل لائبریری میں محفوظ ہے۔

3۔ فرہنگ فارسی جدید بہ زبان انگلیسی، دہلی۔ یہ کتاب ایک ڈکشنری ہے جو انھوں نے فارسی سے انگلش میں مرتب کی۔

4۔ 'انتخابی از مرزبان نامہ بہ زبان اردو' نرگس جہاں نے اس کتاب کو اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ دراصل مرزبان نامہ فارسی کلاسیکی کتابوں میں بہت مقبول اور اہم کتاب ہے۔ اس کتاب کی زبان بہت زیادہ عربی آمیز ہے اور اُس وقت کی سادہ اور سلیس کہی جانے والی کتاب ہے، مگر آج اس کو بآسانی ترجمہ کرنا دشوار گزار مرحلہ ہے۔ اس کا ترجمہ بھلے ہی ایک انتخاب ہے، مگر یہ ایک کارنامے سے کم نہیں۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے، مگر نرگس جہاں نے اس کے کچھ خاص حکایتوں کا ترجمہ کیا ہے جو بہت اہم ہے۔

5- مقایسہ از مثنوی ہای مجنون و لیلیٰ امیر خسرو و لیلیٰ و مجنوں نظامی گنجوی۔

دراصل یہ لیلیٰ و مجنوں ایک مثنوی ہے جو فارسی زبان میں تحریر ہے۔ اس کے مصنف نظامی گنجوی ہیں' جو ایران کے مشہور و معروف کلاسیکل شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کی ایک تصنیف ہے خمسۂ نظامی ہے۔ جس کا جواب آج تک کسی ایرانی یا ہندستانی شاعر کی بس کی بات نہیں ہے مگر ہمارے طوطیٔ ہند اور حضرت نظام الدین اولیاء کے چہیتے مرید حضرت امیر خسرو نے اس کا جواب یعنی جوابِ خمسۂ نظامی قلمبند کیا، جس کا آج تک جواب نہیں۔ کئی دیگر شعرا نے امیر خسرو کے ہم عصروں میں اور بعد کے شاعروں نے بھی اس ضمن میں طبع آزمائی کی، مگر کوئی اس میں کامیاب نظر نہیں آتا۔ پھر چاہے وہ فیضی ہو یا دیگر شعرا۔

نرگس جہاں نے شاید آج سے پچیس سال پہلے اس ضرورت کو جان لیا تھا۔ اس لیے انھوں نے ایک ایسی گرامر کی کتاب تیار کی جو غیر فارسی زبان والوں کے لیے بہت اہم تھی۔ اس کتاب کا نام تھا 'فارسی ویاکرن وانواد' یہ سب سے پہلی کتاب تھی جو نرگس جہاں نے ہندی زبان میں فارسی زبان کی گرامر کے لیے مرتب کی اور واقعی یہ کتاب غیر فارسی زبانان کے لیے بہت کارآمد اور مفید ہے۔ یہ کتاب انھوں نے 1997 میں ترجمہ کی۔

7۔ داستانِ ھای پیامیر ادر شعر نیشابوری۔

8۔ فن کتاب نویسی: 2004

9۔ سعدی ہند

10۔ علم عروض و علم بدیہی 2001 یہ کتاب شعر کی قرأت

کرنے اور سمجھنے میں بہت معاون ہے۔

11۔ دیوان امیر حسن سجزی دہلوی

نرگس جہاں نے یہ ایک اہم کارانجام دیا۔ یہ ایک مفصل اور ضخیم کتاب ہے۔ امیر حسن سنجری کے پورے دیوان کو آپ نے ایڈٹ کیا تھا۔

12 - فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب: یہ کتاب دراصل نورالحسن حسن انصاری صاحب کی تحریر کردہ ہے، مگر جب آپ ہیڈ شپ کے عہدے پر فائز ہوئیں تو آپ نے اس کتاب کو دوبارہ شائع کیا مع مقدمہ واحوال و آثار مؤلف یعنی نورالحسن انصاری کے زندگی نامہ کے ساتھ اس کو ایک مقدمے کے ساتھ تحریر کر کے شائع کیا۔ اس کتاب کے نسخے نایاب تھے۔ یہ اورنگ زیب کے دور کی ایک بہت اہم اور معرکتہ الآرا کتاب ہے۔ یہ کتاب اورنگ زیب کے دور کے فارسی ادب کا مکمل احاطہ کرتی ہے۔

مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ نرگس جہاں کے قلم سے کئی اہم موضوعات پر مقالے بھی تحریر ہوئے ہیں۔ ان کی شرح درج ذیل ہے جو مختلف زبانوں میں شائع ہوئے۔

نرگس جہاں کی بڑی بہن اور نورالحسن انصاری کی اہلیہ ان کی کتابوں کے بارے میں اہم اطلاعات دیتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ پروفیسر نرگس جہاں کی تقریباً انیس کتابیں شائع ہوئی تھیں اور ایک کتاب کی وہ تصحیح کر رہی تھیں جو شاید آج تک شائع نہیں ہوسکی ہے۔ ان کے مضامین کے بارے میں مزید اطلاع دیتی ہیں کہ ان کے تقریباً 35 مقالے شائع ہو چکے ہیں اور اُتنے ہی یعنی 33 مقالے اب تک شائع نہیں ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ مزید بتاتی ہیں کہ 4 کتابیں بھی اب تک اشاعت کی منزلوں سے نہیں گزری ہیں۔ اگر ہم زیادہ تفصیل میں جائیں تو ان کے تقریباً 14 مقالے اخباروں میں شائع ہوئے اور 9 مقالے مختلف مجلّوں میں جو اس وقت کی معروف میگزینز تھیں۔ مثلاً معارف، تہذیب الاخلاق وغیرہ اور قند پارسی۔ (12) بارہ مقالے مجلۂ تحقیقات فارسی شعبۂ فارسی کی معروف میگزین میں شائع ہوئے۔

"نرگس جہاں کے اگر علمی کاموں پر نظر ڈالیں تو انھوں نے ایران و ہند کے متعدد سمیناروں میں شرکت کی۔ مضامین پڑھے اور صدارتی فرائض بھی انجام دیے۔ بہت فعال استاد تھیں۔ ہمیشہ پرجوش رہتی تھیں۔ بہت پر کار اور زحمت کش انسان تھیں۔ ایک دردمند دل رکھتی تھیں۔ طبیعتاً صوفی منش تھیں۔ زیادہ تر سفید لباس میں ملبوس رہتی تھیں۔"

نرگس جہاں کے اگر علمی کاموں پر نظر ڈالیں تو انھوں نے ایران و ہند کے متعدد سمیناروں میں شرکت کی۔ مضامین پڑھے اور صدارتی فرائض بھی انجام دیے۔ بہت فعال استاد تھیں۔ ہمیشہ پرجوش رہتی تھیں۔ بہت پر کار اور زحمت کش انسان تھیں۔ ایک دردمند دل رکھتی تھیں۔ طبیعتاً صوفی منش تھیں۔ زیادہ تر سفید لباس میں ملبوس رہتی تھیں۔ اچھے گفتار و کردار کی مالک تھیں۔ غصہ نہیں کرتی تھیں۔ ہمیشہ مسکراتی رہتیں۔ کبھی دروغ گوئی سے کام نہیں لیتی تھیں۔ فارسی زبان و ادب کی ترویج و پیش رفت کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتیں۔ انھوں نے فارسی زبان کو اسکولوں میں، کالجوں میں مثلاً راجس کالج، خالصہ کالج، سینٹ اسٹیفن کالج میں پارٹ ٹائم کورسز میں شامل کروایا۔ جیسے سرٹیفکیٹ، ڈپلومہ اور ایڈوانس ڈپلومہ۔ آج بھی کئی کالجوں میں یہ کورسز بدستور پڑھائے جاتے ہیں۔

نرگس جہاں صرف کہنے کے لیے دردمند نہیں تھیں بلکہ عملی طور پر بھی اپنی دردمندی کو ظاہر کرتی تھیں۔ وہ طالب علموں کی مدد کے لیے ہمیشہ آمادہ رہتی تھیں اور انھوں نے غریب اور ضرورت مند طالب علموں کے لیے ایک اسکالرشپ اپنے والد بزرگوار سلام کے نام سے شروع کی تھی اور ہمیشہ طالب علموں کو علمی سفر اور پکنک پر بھی لے جایا کرتی تھیں۔

یہ سفر طالب علموں کے لیے بہت کارآمد اور تفریحی ہوا کرتے

تھے۔ زیادہ تر یہ علمی سفر دہلی کی تاریخی عمارتوں کے ہوا کرتے تھے طالب علم تفریح کے ساتھ ساتھ عمارتوں کی تاریخ کے بارے میں اور ان کی ساخت و معماری کے بارے میں بھی جانکاری حاصل کرتے تھے اور مختلف چیزوں کو سیکھتے تھے۔ مثلاً عمارتوں کی خطاطی اور دیگر فنی چیزوں سے انھیں آشنائی دستیاب ہوتی تھی۔

وہ اکثر طالب علموں اور ٹیچرز کو تحفے بھی دیا کرتی تھیں۔ یہ پہلی استاد تھیں جنھوں نے اپنے ریٹائرمنٹ پر دوسرے استادوں کو تحفے دیے تھے۔ آپ کہتی تھیں جب تم یہ تحفے دیکھوگی تو مجھے یاد کروگی۔ آپ ایک نیک اور بامروت انسان تھیں۔

مگر یہ درخشاں ستارۂ زبان و ادب فارسی کے پر نور آسمان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بے نور ہو گیا 29 / مارچ 2011 میں دل کی بیماری لاحق ہونے کے باعث اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملیں، مگر ان کی یاد آج بھی دلوں میں روشن ہے اور علم و ادب کے آسمان پر آج بھی آپ کے نام کا ستارہ جگمگا رہا ہے۔

نرگس جہاں کی شادی ڈاکٹر نفیس احمد صدیقی سے ہوئی تھی۔ وہ سپریم کورٹ کے مشہور و معروف ایڈوکیٹ اور لائبریرین تھے اور اردو میں دہلی یونیورسٹی سے حسرت موہانی پر پی ایچ ڈی کی تھی۔ ان کی بھی کئی کتابیں ریختہ پر موجود ہیں۔ ڈاکٹر نفیس احمد صدیقی باحیات ہیں اور اوکھلا میں رہتے ہیں۔ مگر نرگس جہاں اولاد سے محروم رہیں۔ وہ اپنے شوہر کی دوسری زوجہ تھیں لیکن شوہر کی اولادوں کو ہی اپنی اولاد مانتی تھیں۔

خاکسار بھی ان کے طالب علموں میں سے ہے۔ 1998 میں جب ایم۔ اے کی غرض سے دہلی یونیورسٹی کے فارسی شعبے میں داخل ہوئی تو وہاں آپ کو ہنستے مسکراتے دیکھا۔ کلاسز لینے کے معاملے میں بہت پابند تھیں۔ اکثر سخت بھی ہو جایا کرتی تھیں۔ جب طالب علم وقت کی پابندی کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتے تھے۔ مگر ہم نے انھیں ہمیشہ ملنسار، دوست نواز، ہمدرد اور مہربان دیکھا۔

نرگس جہاں مشکل اور خشک موضوعات پڑھاتی تھیں۔ مثلاً قابوس نامہ، مرزبان نامہ، سیاست نامہ اور غزلیات امیر خسرو جو عربی آمیز ہوا کرتے تھے، چونکہ عربی جانتی تھیں تو بآسانی ہمیں اس طرح کے متن پڑھا دیا کرتی تھیں۔ پرانی دلی والی تھیں، تو اکھڑ ہونا تو لازمی تھا ہی۔ کیونکہ سچ بولتی تھیں تو سچ سننا بھی چاہتی تھیں کوئی لاگ لپیٹ نہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی میں بہت اتار چڑھاؤ دیکھے تھے، بہت محنتیں کی تھیں۔ ایک متوسط گھرانے کی فرد تھیں۔ گرم سرد ہر طرح کے حالات دیکھے تھے۔ کبھی کبھی لہجے میں تلخی بھی آ جاتی تھی۔ مگر اپنے سے چھوٹے ہم منصب ملازمین کے ساتھ بہت محبت اور مروت سے پیش آتی تھیں۔ دوستی نبھانے والی تھیں۔ اللہ اُن کے درجات بلند فرمائے۔ یہ ایک مختصر سا مضمون ہے اور ان کے تمام اوصاف شمار کرنے سے قاصر ہے۔ بس یہ سمجھا جائے کہ یہ ان کی ایک ادنیٰ سی طالب علم کی طرف سے ان کو خراجِ عقیدت ہے، مگر پھر بھی یہ لگتا ہے کہ ''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا''

ماخذ و منابع:

1 پروفیسر نرگس جہاں کا biodata جو خاکسار نے ان کے شوہر ڈاکٹر نفیس احمد صدیقی صاحب سے حاصل کیا۔

2 تاریخ زبان و ادبیات فارسی در دورہ خلجیان بہ زبان فارسی، یہ 1978 میں دہلی سے شائع ہوا۔

3 ترجمہ دستور زبان فارسی اثر پرویز ناتل خانلری ترجمہ اردو زبان میں 1992 میں کیا۔ یہ کتاب بھی شائع ہو چکی ہے

4 فرہنگ فارسی جدید بہ زبان انگلیسی، دہلی۔ یہ کتاب ایک ڈکشنری ہے۔

5 'انتخابی از مرزبان نامہ بہ زبان اردو'

6 دیوان امیر حسن سجزی دہلوی

7 فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب مع مقدمہ و احوال و آثار مولف کتاب

8 'نکات سخن' حسرت موہانی، 1925

Dr. Mahtab Jahan
Associate Professor
Dept. of Persian
Delhi University
Delhi-110007

سیدہ تفسیر فاطمہ

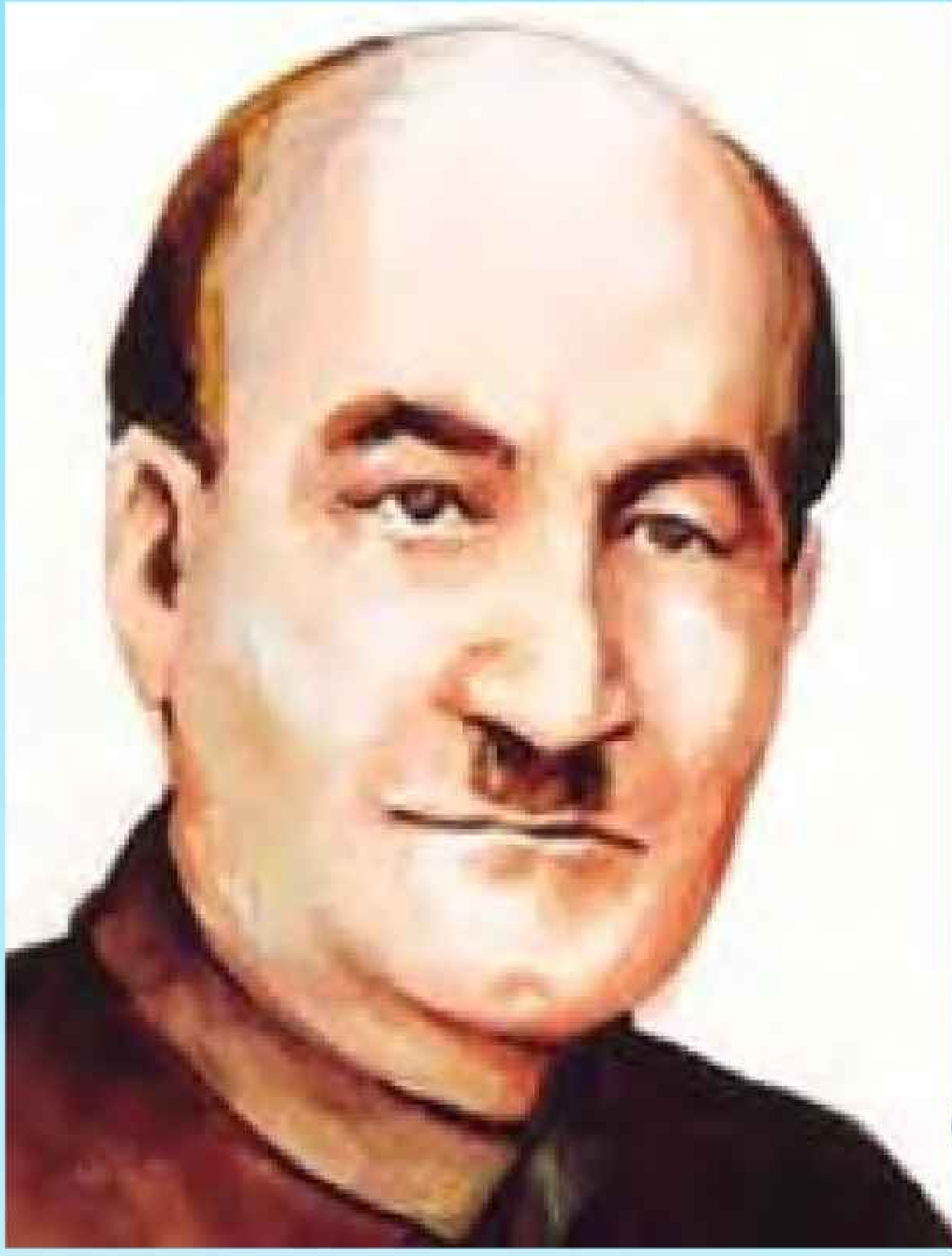

جوش ملیح آبادی
کی نظم میں مناظر فطرت کی عکاسی

جوش ملیح آبادی کی پیدائش 15 دسمبر 1898 ملیح آباد میں ہوئی۔ملیح آباد لکھنؤ کا ایک پرانا قصبہ ہے۔جوش ملیح آبادی کا اصل نام شبیر حسن خاں اور تخلص جوش تھا۔ان کے والد نواب بشیر احمد خاں، دادا احمد خاں اور پر دادا فقیر محمد خاں گویا، لکڑ دادا محمد بلند خاں۔ گویا امام بخش ناسخ کے شاگرد تھے۔

جوش ایک زمیندار خاندان کے چشم و چراغ تھے۔حسن پرستی، خود پسندی انانیت اور سیمابیت جیسی جاگیردارانہ نظام کی خصوصیات انھیں ورثہ میں ملی تھیں۔فنکار کی شخصیت کا اثر اس کے فن پر لامحالہ پڑتا ہے۔جوش کی مذکورہ خصوصیات کا اثر ہمیں ان کی شاعری پر واضح طور پر نظر آتا ہے۔ان کی حسن پرست فطرت نے انھیں شاہکار عشقیہ نظمیں لکھنے پر اکسایا۔

جوش نو سال کی عمر سے ہی شعر کہنے لگے تھے، اسی اعتبار ان کا شعری سفر 1907 سے شروع ہوتا ہے اور 1913 میں نظم گوئی کا آغاز کیا، ان کی پہلی نظم ''ہلال محرم'' ہے، چونکہ جوش کا زیادہ تر بچپنا لکھنؤ ہی میں گزرا۔لکھنؤ کی چمک دمک اور گھریلو ماحول کی شعری نغمگی اور خوشبو سے بسی محفلوں نے جوش کو طبیعت کی رنگینی اور حسن پرستی کے سانچے میں ڈھالا، جہاں زندگی کی ظاہری چمک اور رعنائیوں کی اہمیت اور افضلیت ہے۔

جوش کی نظموں کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی شاعری میں بہت کم سراپا عشق اور حسن پرست فطرت سے باہر نکل سکے ہیں۔ان کی عشقیہ شاعری چونکہ ان کی فطرت کی آواز ہے۔اس لیے اس میں بہت روانی، سرشاری اور مستی ہے۔وہ بہت دلکش اور موثر انداز میں حسن سے متعلق اپنے جذبات اور احساسات کا اظہار کرتے ہیں اور حسن کی ہر ایک ادا کی بڑی کامیاب اور رنگین تصویر پیش کرتے ہیں۔دو شعر دیکھیے۔

میں آہ نہ بھرتا تو ترا لعل نگاہ میں
گل بیز، گل افشاں و گہر بار نہ ہوتا

یہ برہمی گیسوئے شب رنگ نہ ہوتی
یہ پیچ و خم کا کل خمدار نہ ہوتا

جوش کی ان نظموں کا اثر لمحاتی ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک چوٹ کھایا ہوا دل نہیں رکھتے اور ان کی شخصیت سچے عشق کی آگ میں نہیں تپتی ہے۔ان کا تصور عشق سطحی ہے وہ خلوص عشق کی گرمی سے محروم ہیں۔ان کا عشق لمحاتی اور حسن سے رشتہ وقتی ہوتا ہے وہ اپنے ذہن کو اس سے آزاد رکھتے ہیں۔''اٹھتی جوانی'' اور ''جوانی کی رات'' اسی

قبیل کی نظمیں ہیں۔ جوش نے ان نظموں کا تانا بانا بڑے خوبصورت انداز میں اور دلکش تشبیہوں سے تیار کیا ہے۔ حسن و عشق جوش کی شاعری کے محبوب موضوعات ہیں۔ اس کے مختلف پہلوؤں کو انھوں نے غزلوں میں بھی پیش کیا ہے۔ لیکن اس سلسلے کی تفصیل و جزئیات ان کی نظموں میں ملتی ہے اس لیے جوش بنیادی طور پر رومانی شاعر ہیں۔

جوش کی مشہور نظم 'جنگل کی شہزادی' کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

کانٹوں پہ خوبصورت ایک بانسری پڑی ہے
دیکھا کہ ایک لڑکی میدان میں کھڑی ہے

زاہد فریب، گل رخ، کافر در از مژگان
سیمیں بدن، پری رخ نوخیز حشر ساماں

خوش چشم، خوبصورت خوش وضع، ماہ پیکر
نازک بدن، شکر لب شیریں ادا فسوگر

حسن ازل ہے غلطاں شاداب پنکھڑی میں
یا جان پڑ گئی ہے جنگل کی تازگی میں

حوریں ہزار دل سے قربان ہو گئی ہیں
رنگیناں سمٹ کر انسان ہو گئی ہیں

مندرجہ بالا اشعار دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں منظر کشی پر کس طرح سے قدرت تھی اور کیسے الفاظ استعمال کرتے تھے۔

جوش کے یہاں حسن کا بیان اظہار شباب کے بغیر نہیں ملتا۔ انھوں نے دونوں کو ایک دوسرے سے علاحدہ نہیں کیا ہے۔ ان کی شاعری میں حسن و عشق اور اظہار شباب ایک ساتھ نظر آتے ہیں۔ اسی لیے انھیں شاعر شباب بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شبابیات کا پہلوان کی شاعری میں نمایاں ہیں۔ جوش کی مشہور اور مختصر نظم ''عشق کا مراں'' ہے۔ اس میں انھوں نے عشق کامرانی کی داستان بیان کی ہے۔ مثال ملاحظہ ہوں۔

تعالیٰ اللہ کہ وہ دل دار شیریں
ہوا ہے پھر انھیں جاں غمگیں

مبارک اے دل حیراں مبارک
کہ پھر جاری ہوئے آئینِ پیشیں
ترانے چھیڑ اب بُلبل طرب کے
کہ زیر سنگ ہے دامان گل چیں
خوشا طالع کہ میرے بازوؤں پر
مچلتی ہے وہ زلف عطر آگیں
حدیث لطف ہے گرما رہے ہیں
مرے سینے کو وہ لب ہائے رنگیں
بحمد اللہ وہ خود مائل ہوا ہے
بزعم بندگان رسم آئیں
محبت کامران و شادماں ہے
بھلادو قصۂ فرہاد و شیریں

حسن و عشق اور اس کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی کے دوش بدوش جوش کی شاعری میں مناظر فطرت کا بیان بھی ہے۔ انھوں نے فطرت کے مختلف مناظر پر بہت خوبصورت نظمیں لکھی ہیں۔ انھوں نے فطرت کے مناظر کو صرف فطرت ہی کی طرح دیکھا ہے۔ ان میں کسی خیال اور نظریے کی جستجو نہیں کی ہے۔ یہی سبب ہے ان کے یہاں مناظر فطرت کے بیان میں کوئی فلسفیانہ انداز نظر نہیں آتا ہے۔ وہ ایک عام انسان کی مناظر فطرت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

جوش حیات انسانی اور کائنات سے والہانہ لگاؤ رکھتے ہیں۔ اسی لیے ان کی شاعری میں مناظر فطرت کی ترجمانی اور ان کیفیات کی عکاسی غالب ہے۔ 'نغمہ سحر' ان کی مختصر نظم ہے لیکن اپنی عمدگی کی وجہ سے لائق تحسین ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

نسیم ہوتی ہے محو راحت سکوت ہوتا ہے جب چمن میں
میں پیش کرتا ہوں اپنے آنسو، خشک ستاروں کی انجمن میں

میرے گلستانِ شاعری میں لچکنے لگتی ہیں نرم شاخیں
نسیم رقاصۂ گلستاں، ہنوز چلتی نہیں چمن میں

سفید ہلکی سی چاندنی میں بلند ہوتے ہیں میرے نغمے
چٹکنے والی تمام کلیاں خموش ہوتی ہے جب چمن میں

جوش نے مناظرِ فطرت کے مختلف پہلوؤں پر نظمیں لکھی ہیں اور ان سب کا شدید تاثر نمایاں ہے۔ مناظرِ فطرت پر ان کی مشہور نظمیں ہیں، 'برسات کی شفق، برسات کی پہلی گھٹا، شام اوراس کی بزم آرائیاں، بھری برسات کی رات، بدلی کا چاند، البیلی صبح'، یہ ان کی بہت عمدہ نظمیں ہیں برسات کی شفق، ربودگی، جادوئی سرزمین اور برسات کی ایک شام میں انھوں نے مناظر کی مصوری کی ہے۔ لیکن ان چار نظموں میں یہ منظر نگاری مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ یہاں فطرت کا حسن شاعر کے احساس محرومی کو تیز کرتا ہے۔ 'ربودگی' ایک مختصری نظم ہے جس میں شام کے اداس منظر میں شاعر کے غم اور انتظار کا احساس ہوتا ہے۔ ایک بند ملاحظہ ہوں

گونج ہے بادلوں کی وادی میں
پڑ رہی ہیں بڑی بڑی بوندیں
بڑھتا آتا ہے ابر و بادل کا جوش
پھر بھی بیٹھا ہوا ہوں میں خاموش
اور یہ راز بھی نہیں کھلتا
کہ مجھے انتظار کس کا ہے

جوش بنیادی طور پر جذبات کے شاعر ہیں اور ان کی شاعری میں جذبات نگاری کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔ مناظرِ فطرت پر جو نظمیں انھوں نے لکھی ہیں ان میں جذبات نگاری کے پہلو نمایاں ہیں۔

جوش کی ایک نظم 'پرانی تصویر' ہے جس میں انھوں نے بچپن کی بعض یادوں کا ذکر کیا ہے۔ اس تصویر کے ساتھ ان کی بہت سی یادیں وابستہ ہیں۔ اس تصویر کو شاعر نے اپنے بچپن میں الماری چپکا دیا تھا۔ برسوں گزر جانے کے بعد اس کا ایک ٹکڑا باقی رہ گیا ہے۔ جذبات میں لہریں اٹھتی ہیں اور بچپن کا پورا نقشہ اس کے سامنے آجاتا ہے۔ مثال دیکھیے۔

ہاں یہی تصویر ہے جس کو بڑے ارمان سے
میری طفلی نے چھڑایا تھا چکن کی تھان سے
اور پھر بے تاب ہو کر تازہ دم جذبات سے
جس کو چپکایا تھا الماری پر اپنے ہاتھ سے

اس کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا آج بھی تابندہ ہے
یہ بھی اتنی زندہ ہے جتنا مرا دل زندہ ہے

زندگی میں پھر نہ اس موسم کو پائیں گے کبھی
ہائے وہ بیتے ہوئے دن اب نہ آئیں گے کبھی

'پرانی تصویر' کے علاوہ 'بہن کی یاد' 'بن باسی بابو اور ماں جائے کی یاد' ان کی اور بھی نظمیں ہیں جن میں انھوں نے جذبات نگاری کے عمدہ مثال پیش کی ہے۔

جوش نے اس نظم کو بطور پس منظر بیان کیا ہے۔ جوش درحقیقت جذبے کے شاعر ہیں وہ مناظرِ فطرت کو بیان کرنے پر جس طرح قادر ہیں دوسرے بہت کم شعرا ہمیں ملتے ہیں جن کے یہاں یہ قدرت کلام دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان کا مشاہدہ بہت وسیع ہے، ان کا تجربہ بہت وسیع ہے۔ ان کے پاس الفاظ کے ہتھیار کا ذخیرہ ہے جس کا استعمال وہ بخوبی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کی نظمیں اردو شاعری کی بہترین شاہکار بن گئی ہیں۔ ان نظموں میں 'برسات کی شفق' جوانی کی آمد آمد، جوانی کا تقاضہ، جوانی کے دن، برسات کی شام، البیلی صبح، خانقاہ، جادو کی سرزمین، بھوکا ہندوستان، آوازوں کی سیڑھیاں، تاجدارِ صبح، اور دیگر نظمیں ہیں جو بہت مشہور اور خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ روحِ ادب، نقش و نگار، شعلہ و شبنم، وغیرہ ان کے اہم شعری مجموعے ہیں اور ان کا آخری شعری کارنامہ نامکمل طویل نظم 'حرفِ آخر' ہے۔

❑❑❑

Dr.Syeda Tafsir Fatma
C/o. Syed Kashif Ali
At. Moghalpura, Hussainabad Po. Mirjanhat
Ps. Mujahidpur
Distt.Bhagalpur-812005 (Bihar)
Email :syedatafsirfatma@gmail.com

ریحانہ پروین

تبسم فاطمہ کے افسانوں میں نسوانی کردار

تبسم فاطمہ خواتین افسانہ نگاروں میں اہم مقام رکھتی ہیں۔ ان کی پیدائش 1967 آرا (بہار) میں ہوئی اور 2021 میں اس دارفانی سے کوچ کرگئیں۔تبسم فاطمہ کا پہلا افسانوی مجموعہ 'لیکن جزیرہ نہیں' 1995 میں شائع ہوا جس میں بیس افسانے شامل ہیں۔ دوسرا افسانوی مجموعہ 'تاروں کی آخری منزل' 2012 میں منظرعام پر آیا جس میں 17 افسانے ہیں۔تیسرا افسانوی مجموعہ 'سیاہ لباس' 2015 میں شامل ہوا جس میں کل 12 افسانے ہیں۔

ان افسانوں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تبسم فاطمہ کے اندر ایک آگ دہک رہی تھی جسے انھوں نے افسانوں کی شکل میں ظاہر کیا۔

تبسم فاطمہ کالج کے زمانے سے ہی افسانے کی طرف راغب ہوئیں۔جب وہ آرا میں زیر تعلیم تھیں تو اکثر و بیشتر رسالوں کا مطالعہ کرتی تھیں جس میں اسی شہر کے رہنے والے افسانہ نگار مشرف عالم ذوقی کے افسانے شائع ہوتے تھے۔ انھوں نے اپنے بھائی کو کچھ افسانے دے کر ان کے پاس بھیجا اور پوچھا کہ کیا اس میں کوئی افسانے جیسی بات ہے؟ پھر ذوقی اور تبسم فاطمہ کی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ دونوں افسانے لکھتے رہے، چھپتے رہے پھر تلاش معاش میں مشرف عالم ذوقی دلّی چلے گئے کچھ دنوں بعد تبسم فاطمہ بھی دِلّی چلی گئیں اور دونوں نے شادی کرلی۔

تبسم فاطمہ کے دلّی پہنچنے کے بعد لکھنے میں تیزی آئی اور چھپنے کا سلسلہ بھی تیز ہوگیا۔ان کے افسانوں کا جب مطالعہ کرتی ہوں تو پاتی ہوں کہ ان کے افسانوں کے نسوانی کردار کسی نہ کسی طور پر تبسم فاطمہ کی شکل میں موجود ہے۔ سماج میں جو برائیاں در آئیں تھیں اور عورتوں کے ساتھ جو استحصال ہورہا تھا اس پر ان کی گہری نگاہ تھی۔ انھوں نے کبھی عورت کو مظلوم اور کمزور نہیں سمجھا یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے کی عورتیں کبھی روتی، بلکتی اور سسکتی نظر نہیں آتیں بلکہ وہ حالات کا مقابلہ کرتی ہیں اور سماج سے لڑنا چاہتی ہیں۔اس سماج سے جو رسم و رواج کا حوالہ دے کر اس کے جذبات، احساسات اور آزادی کو سلب کرنا چاہتا ہے۔یہیں سے تبسم فاطمہ کا احتجاج شروع ہوتا ہے۔

افسانوی مجموعہ 'لیکن جزیرہ نہیں' کے پہلے افسانہ کا عنوان ہے 'کوئی کسی قبر میں نہیں'۔ یہ افسانہ ایک شوہر اور بیوی کے درمیان محبت کی کہانی پیش کرتا ہے۔ شوہر کی موت ہوگئی ہے اور اس کی روح قبر سے نکل کر اپنی بیوی سے ملنے گھر جاتی ہے۔ اسے یقین تھا کہ اس کے بغیر اس کی بیوی اداس، بے چین ہوگی۔ لیکن وہ دیکھتا ہے کہ اس کی بیوی بہت ہی آرام وسکون سے زندگی بسر کر رہی ہے۔ اسے اس بات کا ذرا بھی ملال نہیں کہ اس کا شوہر نہیں ہے۔ اسے اس کی ذرا بھی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ مرنے کے کچھ ہی دنوں بعد لوگ بھول جاتے ہیں۔ یہ اقتباس ملاحظہ فرمایئے:۔

''قبریں تو ہمیشہ اکیلی رہتی ہیں......اس میں مرنے والے کا وجود اکیلا رہ جاتا ہے۔ اکیلا تن تنہا......ماضی تو صرف پرانے کھنڈروں کی دیواروں میں قید ہو کر رہ گیا ہے۔

سوچتے سوچتے وہ اٹھا۔ پھر بڑبڑانے لگا......کوئی نہیں آئے گا......کوئی نہیں......سب بھول گئے......اپنے اپنے حال میں کھو گئے......اور پھر وہ اسی طرح اپنے ہاتھوں سے بکھری مٹیوں کو سمیٹ کر قبر کی دراڑیں بند کرنے لگا......بند کرنے لگا۔

پتہ نہیں یہ سلسلہ کب سے جاری ہے۔''

(افسانہ ''کوئی کسی قبر میں نہیں'' صفحہ 21)

آخری اقتباس سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ مرنے والے کو تنہا ہی قبر میں رہنا ہے۔ وہاں اس کا کوئی ساتھ دینے والا نہیں۔

تبسم فاطمہ کا دوسرا افسانہ ''خوف'' ہے اس میں بھی ایک شوہر اور بیوی کی کہانی ہے۔ ملک کے حالات خراب ہورہے ہیں اور اس میں کوئی ایک دوسرے پر بھروسہ نہیں کر رہا ہے۔ کب کس کی نیت بدل جائے اور کوئی انہونی ہوجائے کہا نہیں جاسکتا۔ ثوبیہ کو اس بات کا خدشہ ہے کہ وہ جس محلے میں رہتی ہے وہاں غیر مسلموں کی بھی آبادی ہے۔ ثوبیہ کا بیٹا ندیم جب رات میں بیمار ہوتا ہے تو دونوں میاں بیوی اکیلے ہی ندیم کو لے کر ہسپتال پہنچتے ہیں لیکن پیچھے سے شیاما بھائی اور جانکی داس ہسپتال پہنچ جاتے ہیں اور اپنا خون دے کر ندیم کی جان بچاتے ہیں۔ جب ثوبیہ کو اس بات کا پتہ چلتا ہے تو وہ شرمندہ ہوتی ہے۔ شاد اور ثوبیہ دونوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں تب شیاما پرشاد بولتے ہیں۔

''دیکھیے نا آج آفس سے لوٹنے میں دیر ہوگئی۔ کھانا کھانے کے بعد آپ کے گھر گیا۔ ندیم کے لیے راستے میں آج ایک گیند خریدی تھی۔ سوچا دے آؤں لیکن آپ لوگ شاید سو گئے تھے اتنا کہتے ہوئے انھوں نے اوور کوٹ سے وہی گیند نکالی جسے انھوں نے اپنے رومال میں لپیٹ رکھا تھا۔ ایک بار پھر چونک اٹھے ثوبیہ اور شاد۔ دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ دونوں کے چہرے خود بخود شرم سے جھکتے چلے گئے۔'' (افسانہ ''خوف'' صفحہ 31)

دراصل حالات جس طرح سے بدل رہے ہیں اس میں اب کوئی کسی پر اعتماد نہیں کر رہا ہے۔ پورے ملک میں نفرت کی آندھی بہہ رہی ہے۔ ہر انسان خوف زدہ ہے کہ پتہ نہیں کب کون سا حادثہ گزر جائے۔ یہ افسانہ 1980 سے 1985 کے درمیان لکھا گیا لیکن اس افسانے کو پڑھنے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ جیسے آج ہی لکھا گیا ہو۔ فنکار حال میں رہ کر مستقبل کی طرف دیکھتا ہے۔ تبسم فاطمہ نے بھی اس افسانے میں جو لکھا ہے وہ آج ہو رہا ہے۔ شیاما پرساد اور جانکی داس نے اس وقت اپنا خون دے کر ندیم کی جان بچالی لیکن آج کچھ لوگ ایسے ہیں جو ندیم کی جان لے رہے ہیں۔

تبسم فاطمہ کے افسانوں کے جو کردار ہیں وہ زندہ اور متحرک ہیں۔ اس کا ثبوت ان کا افسانہ ''لیکن جزیرہ نہیں'' میں ملتا ہے۔ اس افسانے میں شوہر اور بیوی کی کہانی ہے جس میں ان دونوں کا بیٹا اچانک غائب ہوجاتا ہے۔ سرمد اور تبو عاشی کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کرتے ہیں لیکن وہ نہیں ملتا ہے۔ تبو کو ایک دن سرمد کی ڈائری ہاتھ لگ جاتی ہے جس میں لکھا تھا:

''آج عاشی کے ساتھ تبو ہاسپٹل سے واپس آگئی ہے۔

لیکن تبو کو ہاسپٹل سے ڈسچارج کرتے ہوئے لیڈی ڈاکٹر
نے مجھ پر آج یہ انکشاف کیا کہ تبو اب کبھی ماں نہیں بن
سکے گی۔'' (افسانہ ''لیکن جزیرہ نہیں'' ص:38)

تبسم فاطمہ نے نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ دیا ہے کہ جب عورت کی کوئی کمزوری ظاہر ہوجاتی ہے تو مرد اسے چھوڑ کر دوسری شادی کر لیتا ہے لیکن جب مرد کی کوئی کمزوری ظاہر ہوتی ہے تو عورت اس کا ساتھ نہیں چھوڑتی بلکہ پوری زندگی اس کے ساتھ رہتی ہے۔ اسی فرق کو تبسم فاطمہ اس افسانہ میں بتانے کی کوشش کی ہے کہ عورت ایک جزیرے کی طرح ہے جہاں مرد کچھ دنوں کے لیے ٹھہرتا ہے۔ پھر جزیرے سے نکل جاتا ہے۔ آخری اقتباس میں تبسم فاطمہ نے سب کچھ کہہ دیا ہے۔

''چاروں جانب جیسے آتش بازیاں چھوٹ رہی تھیں۔
آنکھوں کے آگے اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا...... عورت تو
دور سمندروں کے کسی لامتناہی سرے پر بسا ہوا جزیرہ
ہوتی ہے...... بس...... کسی نووارد کی طرح کوئی مرد ذرا
دیر وہاں آکر آرام کرنا چاہتا ہے...... بس اس سے زیادہ
اور کیا رشتہ ہوتا ہے مرد کا عورت سے۔ سرمد نے بھی
تو اسے محض جزیرہ ہی سمجھا تھا اور یہ سچ ہے...... شاید
جزیرے سے الگ نہیں ہوں میں...... نہیں ہوں......
اور کبھی بھی نہیں۔'' (افسانہ ''لیکن جزیرہ نہیں'' ص:38)

تبسم فاطمہ دوسرے افسانہ نگاروں سے اس لیے مختلف نظر آتی ہیں کہ وہ اپنی بات بہت خاموشی سے کہتی ہیں۔ کوئی شور شرابہ نہیں کرتیں جیسا کہ اس افسانے سے ظاہر ہے۔ افسانہ 'جرم' ان کا سب سے کامیاب افسانہ ہے جس میں عورت ایک نئے تیور کے ساتھ ابھرتی ہے۔ اکثر ناقدوں نے اس افسانے کو کوڈ کیا ہے۔ اس افسانے کی کردار دیپا ایک الگ رنگ میں نظر آتی ہے۔ افسانہ کے شروع میں ہی تبسم فاطمہ نے اپنا احتجاج درج کرایا ہے۔

افسانہ 'اندر اترتی ہوئی دہشت' کی ارم ایک ایسی لڑکی ہے جو اپنے پیروں پر کھڑی ہو کر اپنے طور پر زندگی جینا چاہتی ہے۔ دراصل تبسم فاطمہ چاہتی ہیں کہ اس کے نسوانی کردار سماج کی جکڑ بندیوں میں گرفتار نہ ہوں اور آزادانہ زندگی گزاریں۔ اس افسانے کی کردار ارم ایک آزادانہ زندگی جینا چاہتی ہے اس لیے وہ سوچتی ہے کہ ہم ایک مختصر سی زندگی جیتے ہیں اور خاص عمر آنے تک مطمئن ہوجاتے ہیں کہ زندگی کتنی سہل ہے۔ لیکن ایسا قطعی نہیں ہے۔ اک عمر گزر جانے کے بعد زندگی بدل جاتی ہے۔ بچے اپنے اپنے طور پر زندگی جیتے ہیں اور انھیں اس بات کا ذرا بھی احساس نہیں ہوتا کہ اس کی ماں اس کے بغیر کیسے زندگی جیتی ہے۔ اس لیے وہ کہتی ہے ''صبح ہوتے ہی مشینوں کی طرح، زندہ لاشوں کی طرح، درمیان میں خود بھی ایک زندہ لاش کی طرح کھڑی ہو جاتی ہوں۔'' (ص:53)

آج کی عورت کا یہی المیہ ہے کہ اپنی جوانی بچوں کی پرورش میں گزار دیتی ہے اور جب بڑھاپے میں قدم رکھتی ہے تو بچے اپنی دنیا بسا لیتے ہیں۔ اس افسانے میں خاموش احتجاج ہے جو تبسم فاطمہ کا خاصہ ہے۔ وہ کسی بھی افسانے میں کھل کر احتجاج نہیں کرتیں لیکن ان کے نسوانی کردار اپنے اپنے طور پر احتجاج کرتے رہتے ہیں۔ بالکل یہی ردِ عمل افسانہ ''ندامت'' میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس افسانے کی کردار روبی کالج کے زمانے میں بہت بولڈ تھی وہ کسی بھی لڑکے سے بات کرنے میں ذرا بھی نہیں جھجھکتی جبکہ کالج کے دوسرے لڑکے روبی کے اس رویّے کو پسند نہیں کرتے۔ وہ یہ سمجھتے کہ یہ بدچلن لڑکی ہے۔ روبی تعلیم مکمل کر کے ڈاکٹر بن جاتی ہے اور عالم سے شادی کر لیتی ہے اور ایک خوشحال زندگی گزارتی ہے۔ دونوں سے ایک بیٹی ارم پیدا ہوتی ہے اور دھیرے دھیرے جوان ہونے لگتی ہے۔ روبی کے کالج کے زمانے کا ایک دوست افروز تھا جو تنگ نظر اور دقیانوسی خیال کا حامل تھا۔ اسی کے بیٹے سے ارم کا رشتہ طے ہوتا ہے۔ افروز کی ایک بیٹی صنوبر تھی جو ایک لڑکے سے پیار کرتی تھی اور اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی وہ گھر سے بھاگ جاتی ہے لیکن کسی طرح روبی سے ملاقات ہوتی ہے اور اسے اس کے گھر لے جاتی ہے جہاں افروز سے اس کی ملاقات ہوتی ہے۔ افروز نے صنوبر کو بہت پابندی میں رکھا اس کے باوجود وہ اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔

"تبسم فاطمہ کایہی کمال ہے کہ وہ اپنے افسانوں کے ذریعے سماج کاوہ چہرہ دکھاناچاہتی ہیں جوعام لوگوں سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ دراصل عورتوں کے اپنے مسائل ہوتے ہیں۔اکثرخواتین افسانہ نگار عورتوں کے جھگڑے اورشوہربیوی کے رشتے میں الجھ کر رہ جاتی ہیں۔ لیکن تبسم فاطمہ کاکوئی بھی افسانہ ایسانہیں ہے۔وہ عورت کے ان کمزورپہلوؤں کواٹھاتی ہیں جس کے بارے میں عورت خود نہیں سوچتی۔ایک شادی شدہ عورت کامسئلہ صرف گھریلوتشدد نہیں ہے۔ زمانہ جس تیزی سے بڑھ رہاہے یاسماج میں جوتبدیلیاں آرہی ہیں وہ بھی ایک بڑامسئلہ ہے اورتبسم فاطمہ کی نگاہ وہاں تک پہنچتی ہے جیساکہ اس افسانے سے ظاہرہوتاہے۔"

تبسم فاطمہ اس افسانے میں یہ دکھانا چاہتی ہیں کہ ہر آزاد خیال لڑکی بدچلن نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی بے باکی اور فراخ دلی سے ایک اعلیٰ مقام حاصل کرلیتی ہے جیسا کہ روبی نے ڈاکٹر بن کر دکھایا۔ افروز جوروبی کو کالج کے زمانے میں بدچلن کہتا تھا اور اپنی بیٹی صنوبر کو پابندی میں رکھا وہ اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔

تبسم فاطمہ کا یہی کمال ہے کہ وہ اپنے افسانوں کے ذریعے سماج کا وہ چہرہ دکھانا چاہتی ہیں جو عام لوگوں سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ دراصل عورتوں کے اپنے مسائل ہوتے ہیں۔ اکثر خواتین افسانہ نگار عورتوں کے جھگڑے اور شوہر بیوی کے رشتے میں الجھ کر رہ جاتی ہیں۔ لیکن تبسم فاطمہ کا کوئی بھی افسانہ ایسا نہیں ہے۔ وہ عورت کے ان کمزور پہلوؤں کو اٹھاتی ہیں جس کے بارے میں عورت خود نہیں سوچتی۔ ایک شادی شدہ عورت کا مسئلہ صرف گھریلو تشدد نہیں ہے۔ زمانہ جس تیزی سے بڑھ رہا ہے یا سماج میں جو تبدیلیاں آرہی ہیں وہ بھی ایک بڑا مسئلہ ہے اور تبسم فاطمہ کی نگاہ وہاں تک پہنچتی ہے جیسا کہ اس افسانے سے ظاہر ہوتا ہے۔

تبسم فاطمہ کا ایک افسانہ "ہی مین" ہے جس میں ایک نسوانی کردار ربیا ہے جو بھونیسرا، دھکنا اور جوگیرا کے درمیان چکّی کی طرح پستی رہتی ہے ۔ربیا جس گاؤں میں رہتی تھی بھونیسرا بھی اسی گاؤں میں رہتا تھا۔ جب ربیا گھر سے نکلتی بھونیسرا اکثر اسے چھیڑتا ہے۔ شروع میں تو وہ ناراض ہوتی ہے لیکن دھیرے دھیرے بھونیسرا اسے اچھا لگنے لگتا ہے اور اب تو جب وہ اسے چھیڑتا ہے تو وہ کھل اٹھتی۔ پھر بھونیسرا کبھی راستے سے شانتی کی ٹوکری لے کر اور کبھی جگیرا کی کھانسی کا حال پوچھنے ربیا کی جھونپڑی میں آنے لگا۔ دونوں میں پیار ہوگیا۔ اسی درمیان اس کا باپ جوگیرا اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ ربیا کی ماں شانتی جب غم سے باہر آئی تو اس نے اس کی شادی بھونیسرا سے کردی۔ بھونیسرا اسے بیاہ کر اپنے گھر لے آیا۔ اسی رات بھونیسرا اور جوگیرا تاش کھیلنے بیٹھ گئے۔ بھونیسرا نے خوب شراب پی لی تھی تاش کا کھیل جاری رہا۔ بھونیسرا کے روپئے ختم ہوگئے اور وہ جوئے میں ربیا کو ہار گیا اور اپنے دوست دھکنا کو ساتھ لیے ربیا کے کمرہ میں آیا۔ دھکنا نے ربیا کو بتایا کہ بھونیسرا تم کو جوگیرا سے جوئے میں ہار گیا ہے۔ یہ جملہ ملاحظہ کیجئے:

"ہم پرای جولم نہ کر بھونیسرا......نہ جاب ہم......نا...... ربیا رورہی تھی۔ گڑگڑا رہی تھی اور بھونیسرا کی لال آنکھیں دہک رہی تھیں۔ پتہ نہیں وہ سرخی ربیا کے احتجاج کی تھی یا اس کے اپنے ارمانوں کی ...... یا شاید نشے کی ، ربیا نے اس سے پہلے کہ کچھ سمجھ پاتی، ہی مین کے مضبوط گٹھے پڑے ہاتھ ایک کمزور لڑکی پر برس پڑے لیکن ربیا کا احتجاج بڑھتا رہا اور ساتھ ہی بھونیسرا کا نشہ بھی۔ پاس پڑا ایک نوکدار پتھر جو دیگچی کے ڈھکن کی ٹوکن کو چھپائے ہوئے تھا اسے اٹھا کر پوری قوت سے

بھونیسرا نے ربیا کی جانب اچھال دیا۔ پتھر سیدھے جا کر ربیا کی ناک سے ٹکرایا...... پتھر سیدھے جا کر ربیا کی ناک کی پھنگی پر گرا اور اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ربیا کا سہاگ جوڑا خون سے نہا گیا تھا۔ آنکھوں کے سامنے لال پیلے دائرے ابھرے اور پھر زمین پر ڈھیر ہوگئی تھی ربیا۔

دکھنا...... لے جا...... لے جا...... سالی کو...... ایک ہی مین نے لڑکھڑاتی آواز میں ایک کمزور بے بس معصوم ابلا کو دوسرے ہی مین کے حوالے کیا...... اور دوسرے نے تیسرے ہی مین کو۔'' (افسانہ ''ہی مین'' ص:98)

ربیا جوگیرا کے گھر پہنچ گئی۔ جوگیرا سو رہا تھا۔ ربیا کی جب آنکھ کھلی اور اس نے جوگیرا کو سوتا دیکھا تو اسے ختم کرنا چاہا کیونکہ اسی کی وجہ سے وہ اس حال کو پہنچی تھی۔ اس نے ایک لکڑی کی پٹی سے اس پر حملہ کیا لیکن وار خالی گیا اور وہ جاگ گیا۔ اس نے ربیا کو سمجھایا کہ میں تجھے بھونیسرا کے حوالے کردوں گا۔ وہ اسے ناشتہ کرا کر بھونیسرا کے پاس لے گیا لیکن بھونیسرا نے ناک کٹی ربیا کو ساتھ رکھنے سے انکار کر دیا اور مجبوراً جوگیرا ربیا کو اپنے گھر لے آیا۔

جوگیرا، ربیا کا پورا خیال رکھتا کچھ روپے جمع کر کے اسے شہر لے کر گیا اور اس کی ناک ٹھیک کروادی۔ اب وہ پھر سے پہلے جیسی دِکھنے لگی۔ جوگیرا اسے پھر سے بھونیسرا کے پاس جانے کو کہتا ہے کہ اب تو وہ سندر ہوگئی ہے لیکن اس نے جانے سے انکار کر دیا کہ وہ تو ظالم ہے۔ میری ناک کاٹی اور ہم کو گھر سے نکال بھی دیا۔ تم تو دیوتا سمان ہو کہ ہم کو پناہ بھی دیا اور میری ناک بھی ٹھیک کرادی۔ اب ہم تمرے پاس ہی رہیں گے۔ ربیا کے اندر ایک جوالا بھڑک رہی تھی کہ بھونیسرا سے اس نے محبت کی۔ اس سے شادی کی لیکن وہ جوئے میں ہار گیا۔ اس کی ناک کاٹ دی اور سہاگ رات کو گھر سے نکال دیا۔ وہ تو بھلا ہو جوگیرا کہ اس نے ربیا کو نہ صرف پناہ دیا بلکہ اس کی ناک بھی ٹھیک کرائی اور اس سے محبت کی۔ ربیا کے اندر جو جوالا بھڑک رہی تھی وہ آخری انجام کو پہنچ گئی۔ اس نے بھونیسرا کا قتل کرا دیا اور پولیس اسے پکڑ کر لے گئی۔

تبسم فاطمہ کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ کردار کے ساتھ انصاف کرتی ہیں۔ ہی مین میں ربیا کا کردار اتنا توانا ہے کہ وہ اپنے پتی بھونیسرا کا قتل کر دیتی ہے۔ اس لیے کہ اس نے اس کے ساتھ ناانصافی کی تھی۔ آج بھی دلت سماج میں عورت کی یہی صورت حال ہے۔ اس کا شوہر شراب کے نشے میں یا جوئے میں اپنی پتنی کو ہار جاتا ہے۔ اور وہ دوسرے مرد کے ساتھ رہنے کو مجبور ہو جاتی ہے۔ تبسم فاطمہ سماج کی اسی برائی کو دکھانا چاہتی ہیں کہ اتنی ترقی ہونے کے باوجود بھی عورت اسی حال میں جی رہی ہے۔ اس پر اسی طرح ظلم ہو رہے ہیں۔ کبھی اپنے شوہر کے ذریعے کبھی ساس سسر نند اور دیور کے ذریعے یا کبھی جاگیرداروں یا امرا کے ہاتھوں۔ تبسم فاطمہ کے نسوانی کردار کبھی آنسو بہاتے نظر نہیں آتے یا سماج کو یا مرد سماج کو کوستے نظر نہیں آتے وہ حالات سے لڑتے نظر آتے ہیں۔ حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ اپنی شناخت قائم کرتی ہے۔ چاہے وہ افسانہ 'سیاہ لباس' ہو'حجاب'، 'تاروں کی آخری منزل'، 'ندامت'، 'حصارِ شب کا طلسم' یا 'ایک دن سب پرندے اڑ جائیں گے' یہی وجہ ہے کہ مشرف عالم ذوقی لکھنے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں کہ 'تم بغاوت ہو ایک عورت کی'۔ تبسم فاطمہ باغی عورت کے روپ میں جانی جاتی ہیں۔ وہ آرا جیسے چھوٹے شہر سے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کرتی ہیں اور دلّی تک پہنچ کر ایک باغی عورت بن جاتی ہیں اور ایسے افسانے لکھتی ہیں کہ اپنی آگ اپنے نسوانی کرداروں کے اندر انڈیل دیتی ہیں اور وہ کردار جب کہانی کے کردار میں سامنے آتے ہیں تو لگتا ہے کہ وہ کردار خود تبسم فاطمہ ہیں۔ تبسم فاطمہ کسی نہ کسی طور پر افسانے کے نسوانی کرداروں کے وجود میں موجود ہیں۔

تبسم فاطمہ نے بہت کم افسانے لکھے کیونکہ زندگی نے ان کے ساتھ وفا نہیں کی۔ اگر وہ باحیات رہتیں تو یقیناً افسانے کے تعداد زیادہ ہوتی لیکن انھوں نے جو سرمایہ چھوڑا ہے انھیں زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔

❑❑❑

Dr. Rehana Parvin
C/o. The Mobile Spot
Near Lee Showroom
Opposite UCO Bank
Post Office-Head Post Office
P.S- Civil Line Dist-823001 Gaya (Bihar)

اسماء ثمرین

عبدالرحیم نشتر اور ادبِ اطفال

26 فروری 1947 کو عبدالرحیم نشتر کی پیدائش ناگپور کامٹی میں ہوئی۔ انھیں بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے کا شوق رہا۔ مڈل اسکول تک مطالعہ کرتے رہے اور ہائی اسکول میں مطالعے کے ساتھ ساتھ لکھنے کا شوق پروان چڑھنے لگا۔ پندرہ سال کی ہی عمر سے کھلونا، پھلواری، چاند وغیرہ رسالوں میں لطیفے، بتاؤ تو جانے، سوال وجواب کے کالم میں چھپنا شروع ہوگئے۔ سب سے پہلے روزنامہ 'انقلاب' ممبئی میں کہانیاں چھپیں۔

عبدالرحیم نشتر نے 1962 میں مدحت اختر، ارشد جمال، خلیق الزماں، شمیم فیضی، رشید الظفر وغیرہ کے ساتھ مل کر 'بزم اطفال' کے نام سے ایک ادبی انجمن بنائی تھی۔ یہ انجمن روزنامہ 'انقلاب' کی مرکزی بزم اطفال کی شاخ تھی۔ اب تک اُن کے پانچ شعری مجموعے بیچارے فرشتے، موتی چور کے لڈو، کوکن دانی، گل چھرے اور بچوں کا سنسار شائع ہوچکے ہیں جو بچوں کے لیے ہیں۔ اِن کتابوں پر نشتر صاحب کو انعامات سے نوازا جانا اُن کے ادبِ اطفال کی خدمات کا اعتراف ہے۔

عبدالرحیم نشتر پیشے سے استاد تھے اس لیے اُن کا زیادہ تر وقت بچوں کے ساتھ گزرا۔ نشتر نے بچوں کے مطالبات، دلچسپی، ذہنی استعداد کو سمجھا اور بچوں کے فہم وشعور کا خیال رکھتے ہوئے تشبیہات، استعارات اور تراکیب کا استعمال کیا۔ اُن کی نظموں میں بچوں کا ایک دوسرے کو ستانا، چڑانا، روٹھنا، منانا، کھیل، شرارتیں، ضدیں وغیرہ جیسے موضوعات ہیں جو نہایت سادہ اور دلچسپ ہیں۔ اس کے ذریعے ہم بچوں کی تربیت کرسکتے ہیں۔ مثلاً اُن کی نہایت سادہ سلیس زبان میں تحریر کی ہوئی نظم ''ہیرو___ زیرو۔'' اس نظم کے ذریعے اُن کے پوتے عافی غنی کے ذریعے بچوں کو تہذیب وسلیقہ وسلام کرنے کی عادت، صاف ستھرا رہنا، سچ بولنا، دھوکہ نہ دینا، نماز اور قرآن کی تلاوت کرنا، اسکول اور اسکول سے باہر بھی اچھے لڑکوں سے دوستی کرنا اور اچھے اخلاق کے عادی ہونے کی تعلیم دی ہے اور سمجھایا کہ ایسے بچوں کو سب پسند کرتے ہیں اور وہی سب کی نظر میں ہیرو ہوتے ہیں۔ یہ بھی سمجھایا جس میں زندگی گذارنے کا شعور نہیں ہوتا وہ زیرو ہوتا ہے۔

> ''ادب اطفال میں بھی عبدالرحیم نشتر کا کام انتہائی قابل قدر ہے، جس میں بچے کی ہمہ جہت نشونما کے حوالے سے تمام ضروری موضوعات پر مؤثر انداز میں طبع آزمائی کی گئی ہے۔'' (ظفر گورکھپوری۔ 3/دسمبر 2006)

عبدالرحیم نشتر نے 'بچوں کا سنسار' کے شروع میں 'اُس نے کہا تھا' کے عنوان سے اپنے بڑے بیٹے ڈاکٹر دانش غنی کے لیے ایک نظم

تحریر کی ہے اِس میں اپنے بیٹے کے ذریعے سب بیٹوں کو پیغام دیا ہے کہ اگر بچے پڑھ لکھ کر ترقی کرتے ہیں، اپنا اور والدین کا نام روشن کرتے ہیں اور اُن کا خواب پورا کرتے ہیں تو والدین اور بیوی بچے شاداں رہتے ہیں اور زندگی خوشگوار گزرتی ہیں۔

''ابّو یہ دن کٹ جائیں گے
جیسے ہی میں جاب کروں گا
شہر میں اپنا بھی گھر ہوگا
آپ وہاں آرام سے رہنا
لکھنا پڑھنا
شان سے رہنا۔''

عبدالرحیم نشتر کی کتابوں کی ترتیب میں یہ خوبی دیکھنے میں آئی ہے کہ ایک ہی جیسے عنوانات یکے بعد دیگرے لیے گئے ہیں۔ مثلاً عید، بچہ، صبح وشام کے مناظر، موسم وغیرہ۔ بچوں کا 'بارہ ماسہ' اس کی بہترین مثال ہے، جس میں جنوری سے دسمبر تک موسموں کی کیفیات بیان کی گئی ہیں۔ اسی طرح انھوں نے اپنی ہر کتاب کی ابتدا حمد و نعت اور منقبت سے کی ہے۔ ان کی حمد میں اللہ تعالیٰ کی برتری، بڑائی اور وحدانیت کا عنصر ملتا ہے۔ اشعار ملاحظہ کریں

''وہی سب سے افضل وہی سب سے برتر
ہمیشہ زباں پر ہو، اللہ اکبر
جو نام اس کا آئے تو جائے ادب ہے
وہی سب کا خالق، وہی سب کا رب ہے''

اسی طرح آپؐ کی تعریف میں بھی بہترین نظمیں تحریر کیں۔ اس نعت میں کتنی خوبصورتی سے حضرت محمدؐ کی سیرت کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں کہ بچے اسے پڑھ کر اپنے اندر بھی ایسے ہی اوصاف پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

مکہ بھر میں ایک ہی بچہ ہے سب سے مشہور
جس کا پاکیزہ بچپن ہے کھیل کود سے دور
نیک نگاہی نیک کلامی ، نیک طبیعت اس کی
اسی لیے تو سب کے دلوں پر رہی حکومت اس کی

کوئی بہادر تیر چلائے دھرے کوئی تلوار
رحمت عالم جیت رہے ہیں سیرت سے سنسار

''عبدالرحیم نشتر نے صرف اپنی نظموں میں آپسی بھائی چارگی کا پیغام ہی نہیں دیا بلکہ عید پر نظمیں تحریر کرنے کے ساتھ دیوالی اور ہولی پر بھی نظمیں تحریر کر کے اس پر عمل پیرا رہے ہیں۔ اسی طرح اُن کی ایک نظم کا عنوان 'بچوں میں بھگوان چھپا ہے' ہے۔ اُن کے کلام میں ہندی الفاظ کے عنوانات بھی پائے جاتے ہیں''

اُن کی نظموں میں مذہبی رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ جیسے: مذہب نہیں سکھاتا، پیغام عید، حضرت بلالؓ کی اذان، کامیابی کی شرط، اللہ کے کارنامے، زندگی جیسے آرزو ہو، رب کا شکر ادا کرتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ بچوں کے ادب کا کوئی موضوع ایسا نہیں ہے جس پر عبدالرحیم نشتر نے طبع آزمائی نہ کی ہو۔ اُن کے یہاں وطن سے محبت، قومی یکجہتی، مساوات ان موضوعات پر بھی بہت ساری نظمیں ہیں، جیسے: وطن کے بیٹے، مذہب نہیں سکھاتا، ننھے بھارت کی فریاد، میری زمین، قدرت کا پیغام، ہمارے نیتا، نہرو کا خواب، یکجہتی، پندرہ اگست وغیرہ۔

عبدالرحیم نشتر نے صرف اپنی نظموں میں آپسی بھائی چارگی کا پیغام ہی نہیں دیا بلکہ عید پر نظمیں تحریر کرنے کے ساتھ دیوالی اور ہولی پر بھی نظمیں تحریر کر کے اس پر عمل پیرا رہے ہیں۔ اسی طرح اُن کی ایک نظم کا عنوان 'بچوں میں بھگوان چھپا ہے' ہے۔ اُن کے کلام میں ہندی الفاظ کے عنوانات بھی پائے جاتے ہیں جیسے: رات دیپ والی، شانتی چاہیے روشنی چاہیے، نٹ کھٹ چاند وغیرہ نظموں کے عنوانات کے ساتھ ہی اُن کی نظموں میں ہندی الفاظ بار بار آتے ہیں جیسے: پنچھی، آکاش، من، تن، دیپ، تہوار، گگن، دھرتی، دیپک، بھاشن، پردیش، دھیان، دیش، کپوت، راگ، نردھن، گردھر، سپنوں، متروں، نرمل،

کومل، سیوا، انتر، سندر، رنگ منچ، گنوان وغیرہ۔

عبدالرحیم نشتر کے کلام میں حسن فطرت کی ماحولیاتی منظرکشی بڑے ہی دلکش انداز میں موسموں کے ذریعے کی ہے جیسے باد بہادری، سب کی پیاس بجھاؤ، مزاج موسم کا، بہار سب کے لیے، برسات کے نظارے، بارانِ رحمت، زندگی سہنے لگی، خزاں کی رت آئی۔ ہر موسم اپنی مخصوص شناخت اور متضاد خصوصیت کا حامل ہوتا ہے۔ عبدالرحیم نشتر نے بڑی ہی خوبصورتی سے موسموں کی تصویر کشی کی ہے۔ موسم بہار سے شروعات کرتے ہوئے موسم بہار کا نقشہ عبدالرحیم نشتر نے کچھ اس طرح کھینچا ہے۔

برسنے کا اشارہ ہوگیا کالی گھٹاؤں کو
نئے منظر دیے باد بہاری نے فضاؤں کو
نشہ سا ہوگیا ہے پیاسی دھرتی کی ہواؤں کو
مبارک باد دیتی پھر رہی ہیں گاؤں گاؤں کو
نوید جانفزا ! سویا مقدر جاگ اٹھا ہے
ابھرنے اور نکھرنے کا تصور جاگ اٹھا ہے

چھتری، باران رحمت، زندگی ہنسنے لگی، برسات کے نظارے وغیرہ نظموں میں انھوں نے برسات سے پہلے موسم کس طرح خوشگوار ہوتا ہے، برسات کیسے زمین کو سیراب کرتی ہے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہے اور فضا کیسے بھیگی بھیگی اور معطر ہوجاتی ہے اس کی بہترین انداز میں تصویر کشی کی ہے۔

صبح برسات کی بھیگی بھیگی فضا
ابر باراں کا آکاش پر قافلہ
قطرہ قطرہ اترتی ہوئی زندگی
ننھی منی پھواروں کا میٹھا مزا

ہر موسم کی خصوصیت مختلف ہوتی ہے جیسے سردی، گرمی، برسات جس خوبصورتی سے انھوں نے موسم برسات کا نقشہ کھینچا ہے ویسے ہی انھوں نے سردی کے موسم کی بھی عکاسی کی ہے۔ جیسے

بدن کپکپاتا ہے بجتے ہی دانت
ہوا سرسرانے لگی کان میں
الاؤ سے لگ کر ہی بیٹھو رہو
تبھی آئے گی جان میں کچھ جان

اسی طرح گرمی کے موسم کی منظرکشی کی ہے کہ کس طرح گرمی میں سب افوہ افوہ اور اف اف کرتے ہیں۔

لو بن کے چل پڑتی ہو
جھکڑ سی چھا جاتی ہو
دھرتی جھلسا دیتی ہو
دنیا کو تڑپاتی ہو

صبح اور شام کے نیرنگی وحسن کو انھوں نے اپنے الفاظ کی مصوری سے وا کیا ہے۔ ان کی ایک ایک نظم تبصرہ طلب ہے جیسے سونو کی گنتی، ٹھہر ذرا مف فو کی بچی، بوجھو تو بھلا، اگر ہو آدمیت آدمی میں، قدرت کا پیغام، کاش وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح بچوں کا بارہ ماسہ بھی اُن کی ایسی تخلیق ہے جس پر الگ الگ مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔

دورِ جدید میں بچے اردو زبان سے دور ہوتے جا رہے ہیں، انھیں ایسی ہی نظموں کی ضرورت ہے۔ یہ نظمیں ان کی دلچسپی کا سامان فراہم کرنے کے ساتھ اُن کی لاشعوری طور پر تربیت کرتی ہیں۔ عبدالرحیم نشتر کی نظموں میں ایسا جادو ہے جو بچوں کے ساتھ ساتھ بڑوں کے ذہنوں پر بھی دوررس اثرات مرتب کرتی ہیں۔

عبدالرحیم نشتر کی نظمیں عام فہم، تصنع سے پاک، سلیس زبان میں ہونے کے ساتھ متنوع موضوعات سے بھی مالا مال ہیں۔ اُن کی نظموں میں نغمگی و ترنم ہے، اسی وجہ سے ہمیں جلد از بر ہوجاتی ہیں چونکہ یہ ہمارے ذہنوں کا اثاثہ بن جاتی ہے اس لیے آئندہ نسلوں تک اِسے پہچاننا بہت آسان ہوجائے گا اور یہ ہمیشہ زندہ جاوید رہے گی۔

❑❑❑

Asma Samreen
H. No. 18-9-3
Wazeer Manzil
Kirana Chowri, Shah Ganj
Chhatrapati Sambhaji Nagar-431001 (M.S)

میمونہ علی چوگلے

نظمیں

آخر کب تک

مندر میں گھنٹی بجی
اور مسجد میں اذان آئی
یوں ساری دنیا جاگ اٹھی
سبھوں نے اپنے رب سے دعائیں مانگیں
پھول، پودے، چرند، پرند
سہانے سپنوں سے جاگے
اور صبح کو خوش آمدید کہا
پتوں پر چمکتے شبنم کے قطرے رُو پوش ہوئے
سورج نے اپنا جال پھیلایا
بالکنی سے باہر دیکھا
ایک ننھا بالک نیوز پیپر بانٹ رہا تھا
دوڑ دوڑ کے ہر گاہک کے
آگے پیچھے
چند سکّوں کی خاطر
اپنا بچپن کھو رہا تھا کب تک آخر— آخر کب تک؟

نادان لڑکی

ایک لڑکی جو ساحل پر کھڑی ہے
نادان ہے
نشیب وفراز اس نے
دیکھے نہیں ہیں
زندگی کے بھید
داستان طوفانوں کی
ابھی نا آشنا ہے ان سب سے
رقص کرتی لہریں
گدگدا رہی ہیں اس کو
ریت کا ذرّہ ذرّہ
قدم چوم رہا ہے اور وہ معصوم
آواز دے رہی ہے ان خوابوں کو
جو پلکوں پر لرز رہے ہیں
نہ جانے میں کیوں ڈر رہی ہوں—؟

Maimuna Ali Chougle
304/B Panch Dhara
Panch Marg, Versova
Mumbai- 400061 (M.S)

مسرور صغریٰ

غزل

تمام عمر وفائیں تو کیں صلہ نہ ملا
رہ حیات میں تجھ سا جو دوسرا نہ ملا

وہ جارہا تھا کسی اور کی طرف ہی مجھے
قبائے زیست سے تار نفس جڑا نہ ملا

جو ہو کے راہ سے اہل وفا کے جاتا ہو
تمام عمر تھا ڈھونڈا وہ قافلہ نہ ملا

گماں کو کردے یقیں اور یقیں گماں کردے
دیار عشق میں بس ایسا معجزہ نہ ملا

تمام نفرتیں تیری سہیں محبت میں
تو پھر بھی دیکھ مجھے تیرا آسرا نہ ملا

نگاہ دل میں سبھی غم چھپا لیے صغریٰ
غم وجود میں خاروں کا شائبہ نہ ملا

Dr Masroor Soghra
APSM College
Kadir Chak
Barauni-851112(Bihar)
soghraallahabad@gmail.com

شاذیہ نیازی

غزل

ترے نزدیک آنا چاہتی ہوں
تکلف کو مٹانا چاہتی ہوں

پرندوں سے مری بننے لگی ہے
درختوں پر ٹھکانا چاہتی ہوں

گلابی چوڑیاں لانے کو کہہ کر
زرا سا حق جتانا چاہتی

اگر یہ آخری ملنا ہے اپنا
تو میں موقع گنوانا چاہتی ہوں

یہ خوش فہمی نہیں تو اور کیا ہے
میں تم کو یاد آنا چاہتی ہوں

چرا کر شاہزادے کی انگوٹھی
توجہ سب کی پانا چاہتی ہوں

سنا ہے عشق پیچیدہ عمل ہے
میں اب ناخن چبانا چاہتی ہوں

Shazia Niyazi
Alam Nagar,Burnpur
Asansol-713325 (West Bengal)
shazianeyazi3@gmail.com

رخشندہ روحی مہدی

اندھیرے اجالے

صفیہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔۔اچانک سمیر کے برتاؤ میں تبدیلی کی وجہ کیا ہو سکتی۔وہ اپنے مزاج کے خلاف سمیر کی بے تکی باتوں کے جواب دے دیتی ہے۔

دو فلیٹ چھوڑ کے سمیر رہتا ہے۔وہ یہاں سروس کرتا ہے۔ صفیہ کو دیکھ کر وہ اکثر سلام کرتا اور دوسری بات نہ کرتا۔لیکن ابھی کوئی دس بارہ دن سے وہ صفیہ سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔

آج بھی وہ پھل والے کے پاس صفیہ کو کھڑا دیکھ کر وہیں چلا آیا۔آتے ہی بولا۔۔” آپ کو یہ سرسوں کا ساگ بنانا آتا ہے۔۔ میری مام بہت اچھا بناتی تھیں۔۔“

میں نے مختصر سا جواب دیا۔۔”نہیں۔۔“

اس کو نظر انداز کر کے میں سامنے سے آتے ڈاکٹر کھنہ سے بات کرنے لگی۔۔کیسے مزاج ہیں ڈاکٹر صاحب!“

اور شاید سمیر سمجھ گیا اور بازار کی طرف مڑ گیا۔

شام کو وہ چائے بنا رہی تھی کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔

بیٹی نے آواز دی۔۔امی۔۔امی۔۔سمیر آئے ہیں۔۔آپ کو پوچھ رہے ہیں۔۔“ صفیہ کو تو جیسے بچھو کا ڈنک لگ گیا۔۔

وہ اپنے کمرے میں جاتی ہوئی بولی۔۔”پوچھ لو کیا بات ہے۔ میں مصروف ہوں۔۔

امی وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ سے ہی بات کرنی ہے۔۔ آ جائیے جلدی۔۔“

وہ اکتاتے ہوئے دروازے کے قریب گئی۔۔

مسکین سی صورت بنائے وہ اسی کی راہ تک رہا تھا۔

وہ کھڑی تھی سمیر کے سامنے۔۔اور وہ اسے دیکھے جا رہا تھا۔

گرمی کی شدت سے سمیر کے رخسار تمتا رہے تھے۔وہ پسینے سے شرابور تھا۔۔

اس نے جلدی سے ایک پیکٹ صفیہ کی جانب بڑھا دیا۔

اور اٹکتے ہوئے بولا۔۔

آنٹی۔۔یہ۔۔

میرا غصہ ساتویں آسمان پہ تھا“۔میں نے کہا اس کی ضرورت کیا ہے۔؟ کیوں لائے ہو۔۔؟“اس کا منہ اور زیادہ لٹک گیا اور وہ بغیر کوئی جواب دیے وہ پیکٹ اس کے سامنے رکھی کرسی پر رکھ کر و دروازے سے باہر نکل گیا۔

’’مما آپ کتنی خشک مزاج ہوتی جارہی ہیں۔۔‘‘ثناء نے پیکٹ کوسونگھ کر دیکھا۔’’ممایہ۔۔بڑا مہنگا پرفیوم ہے۔آپ نے کیوں نہیں لیا۔۔بے چارہ کیسا مایوس لوٹ گیا۔‘‘

’’کیا ضروت ہے اتنے قیمتی تحفے کی۔۔؟آج کل یہ لڑکا کچھ زیادہ ہی میرے لیے فکر مند ہونے لگا ہے۔۔‘‘

’’اف مما۔۔یہ نئی روشنی کالڑکا ہے۔۔‘‘

اور ابھی دو ہی دن ہوئے تھے کہ وہ پھر سبزی کی دکان پراس کا راستہ روک کر کھڑا تھا۔

’’آپ میری کوئی بات نہیں سنیں گی۔۔نہ سمجھیں گی۔؟؟‘‘

صفیہ نے جواب نہیں دیا۔سبزی لے کر گھر آ گئی۔۔

’’میں نے کالونی گروپ سے آپ کانمبرلیا ہے۔۔‘‘

آپ مجھ سے دور کیوں بھاگتی ہیں۔میں آپ کو۔۔۔‘‘

آپ کو۔۔اپنے دل کے قریب۔۔جاں کے نزدیک اور دماغ کی وسعتوں میں پاتا ہوں۔۔میں اللہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں ۔۔۔آپ میری۔۔۔‘‘

’’بدتمیز۔۔ہمت کیسے ہوئی۔۔ایک لفظ بھی آگے لکھا تو۔۔‘‘

’’ صرف ایک بار میری بات سن لیجیے۔۔نہیں تو میں واقعی ۔۔اپنی۔۔آپ کومیری قسم۔۔‘‘

’’میں تمھارانمبر بلاک کررہی ہوں۔۔‘‘

مارے ٹینشن کے اس کے دماغ کی نسیں دھڑ کنے لگیں۔۔اس نے غٹاغٹ ایک ٹیبلیٹ نکالی اور پانی گلاس میں بھرنے لگی۔۔

’’مما۔۔کس کامیسج تھا۔۔آپ اتنی ٹینس کیوں ہیں۔۔‘‘

’’ارے وہ ہی بے وقوف۔۔بدتہذیب لڑکا۔۔ میسج پہ میسج کررہا ہے۔۔‘‘

’’ارے مما۔۔کیا کہتا ہے سن تو لیجیے۔۔‘‘

’’نہیں۔۔ہرگز نہیں۔۔‘‘وہ جانتی ہے ایسے لڑکوں کو۔۔کیا کچھ برداشت نہیں کیااس نے۔۔شوہر کی پسند نہیں تھی وہ۔۔زبردستی کی شادی آٹھ سال گھٹنوں کے بل چلی۔اور۔۔ایک سرد۔۔اداس سی شام وہ اپنی سات سالہ بیٹی کے ساتھ اپنے پاپا کے گھر واپس آ گئی۔امی تو اس کے بچپن میں ہی گذر گئیں تھیں۔۔اوراس کی بیٹی کی شادی کے فوراً بعد پاپا بھی نہ رہے۔۔بیٹی داماد نے اسے اکیلے نہیں رہنے دیا۔۔اور صفیہ نا چاہتے ہوئے بھی یہاں چلی آئی۔اب یہی اس کا گھر تھا۔۔اس کی آنکھوں کے سوتے تو کب کے خشک ہو گئے تھے۔۔اس کی بیٹی کا باپ اسی شہر میں رہتا رہا اور کبھی اس کا اور اپنی بیٹی کا حال نہ پوچھا۔۔پاپا نے کتنی بار اسے سمجھایا کہ دارالقضا سے طلاق لے لو اور نئی زندگی کا دامن تھام لو۔۔لیکن اس کے دل کو ایک ہی امید تھی کہ ایک نہ ایک دن اس کی بیٹی کا باپ لوٹ آئے گا۔۔آج وہ پچپن سال کی ہوگئی۔۔ادھیڑ عمر۔۔

بچہ ہے مما وہ ۔۔رامش ماں بیٹی کی باتوں میں زیادہ مخل نہیں ہوتے تھے ۔صفیہ کو غصہ آگیا ۔۔وہ بغیر جواب دیے ڈرائینگ روم سے باہر چلی گئی ۔ دروازے کی گھنٹی بجی ۔کام کرنے والی نے اسے ڈرائینگ روم میں بیٹھا دیا۔۔

’’ مما۔۔مما۔۔‘‘ داماد کی آواز سن کر وہ خیالوں کی ویران وادیوں سے باہر آئی۔۔

’’جی۔۔بیٹا۔۔‘‘

’’رامش۔مما آج برابر والے سمیر کے بیہویر سے پریشان ہیں‘‘

’’وہ مما سے بہت امپریس ہے۔۔ان کو میسج کرتا رہتا ہے۔۔

بچہ ہے مما وہ۔۔رامش ماں بیٹی کی باتوں میں زیادہ مخل نہیں ہوتے تھے۔صفیہ کو غصہ آ گیا۔۔وہ بغیر جواب دیے ڈرائینگ روم سے باہر چلی گئی۔دروازے کی گھنٹی بجی۔کام کرنے والی نے اسے ڈرائینگ روم میں بیٹھا دیا۔۔

’’مما ایک بار اس کی بات تو سن لیجیے۔۔میں چائے بھجواتی ہوں۔۔‘‘ ثناء نے اس کی طرف ملتجی نظروں سے دیکھا۔اور کچن کی طرف چلی گئی۔۔

"اس نے سمیر کا سر اٹھایا اور اپنے آنچل سے اس کا بھیگا چہرہ صاف کیا۔۔نہ جانے کس وقت ثنا ڈرائینگ روم میں آگئی تھی۔۔ اور اس نے سارا منظر دیکھ لیا۔۔سب سن لیا۔ اسے سمیر اپنے چھوٹے بھائی جیسا ہی لگا۔اپنی مما کی بے رنگ زندگی میں رنگ بھرنے کا اس نے پکا ارادہ کر لیا۔"

"وہ میں۔" وہ ہکلایا۔صفیہ ناگواری سے سمیر کو گھورتی رہی۔

"میں جب پندرہ سال کا تھا۔دسویں کا امتحان دے رہا تھا۔ تو امی کینسر کی موذی بیماری سے ٹھیک نہ ہوئیں اور۔۔ڈیڈی نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔۔آج میں کامیاب انجینئر ہوں ۔۔میرے ڈیڈی نے مجھے امیریکہ بھیج کر تعلیم دلوائی۔۔مجھ پر ان کی تنہا زندگی کا ایک ایک لمحہ قرض ہے۔۔وہ سوفے سے اٹھ کر صفیہ کے قدموں میں بیٹھ گیا۔اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔۔اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے دھندلے بادل تیر رہے تھے۔۔چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔۔اس نے صفیہ کا سرد ہاتھ اپنے پسینے سے بھیگے ہاتھ میں دبا لیا۔۔وہ کمزور سی آواز میں صفیہ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔۔آپ۔۔آپ۔۔مجھے اپنا بیٹا بنا لیجیے۔۔آپ میرے پاپا سے۔۔۔وہ بہت اکیلے ہیں۔۔وہ بہت پیار کرنے والے انسان ہیں۔۔ممی اور پاپا کی لو میرج تھی۔۔میری ممی آپ سے بہت مشابہہ تھیں۔۔پلیز۔۔میری بات مان لیجیے۔۔ایک بار میرے پاپا سے مل لیجیے۔۔وہ یہیں ہیں۔۔پلیز۔۔ماں۔۔۔

ممی۔۔۔"

اور پہلی بار صفیہ کو اس لڑکے پر ترس آ گیا۔۔اسے وہ ایک صاف دل بے حد معصوم لگا۔اس نے بے اختیار سمیر کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔اس کے گرم گرم آنسو صفیہ کے دامن میں جذب ہوتے رہے۔صفیہ کی آنکھوں میں نہ جانے کب سے منجمد نمکین سمندروں میں جوار بھاٹا اٹھنے لگا تھا۔

اس نے سمیر کا سر اٹھایا اور اپنے آنچل سے اس کا بھیگا چہرہ صاف کیا۔۔نہ جانے کس وقت ثنا ڈرائینگ روم میں آ گئی تھی۔۔ اور اس نے سارا منظر دیکھ لیا۔۔سب سن لیا۔اسے سمیر اپنے چھوٹے بھائی جیسا ہی لگا۔اپنی مما کی بے رنگ زندگی میں رنگ بھرنے کا اس نے پکا ارادہ کر لیا۔

دو تین دن تک گھر میں سمیر کا مسئلہ زیر بحث رہا۔

وہ اپنے دل میں سمیر کے لیے نرم گوشہ تو بنا سکی لیکن اتنا بڑا اقدم اٹھانے میں اس کی ہمت جواب دے رہی تھی ۔۔لیکن بیٹی اور داماد نے اس کو سمیر کے پاپا سے ایک بار ملنے کے لیے منا ہی لیا۔نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے ہامی بھر لی ۔بے دلی سے اس نے کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں چلی آئی ۔امس بھری گرمی ۔۔اس پر دماغ بوجھل ۔۔اور دل بھاری ۔ وہ سوچے جا رہی تھی ۔۔ایک بار ملنے سے تو وہ فیصلہ نہیں کر لے گی ۔۔سوچ سمجھ کر اتنا بڑا اقدم اٹھائے گی ۔اس سے زیادہ سمیر کو ماں کے پیار کی للک ہے ۔اس کو ماں مل جائے گی ۔۔صبح سے ہی موسم کا مزاج اور سخت تھا۔حبس اور شدید گرمی ۔۔دن بھر وہ اپنے کو تیار کرتی رہی۔

"مما۔۔اب تیار ہو جایئے۔۔شام ہو گئی۔"

وہ بیٹی سے بحث کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔اس نے منہ ہاتھ دھویا اور دوپٹہ اچھی طرح کاندھوں اور سینے پر پھیلا کر اوڑھ لیا۔

ثناء تھوڑا چڑھ کر بولی ۔"مما یہ کیا۔ہلکا سا میک اپ تو کر لیجیے۔یہ کاجل اور لپ اسٹک لگایئے۔وہ اس کے سامنے لپ اسٹک کا کور اتار کر کھڑی ہو گئی ۔اور زبردستی اس کے ہونٹوں پر گلابی لپ اسٹک لگا دی۔

"تم جانتی ہو نہ۔۔کاجل تو میں لگاتی نہیں ۔اب بس کرو۔۔ نہیں تو میں نہیں جاؤں گی۔" وہ پیروں سے سینڈل نکالنے لگی۔

بیٹی نے ماں کو سینے سے لگا لیا۔۔

"سوری ڈیر مما۔پلیز۔۔ایسا نہیں کیجیے۔" ثنا کی آنکھوں میں التجا تھی۔

اس نے اپنے بکھرتے وجود کو اکٹھا کیا۔۔اور گھر سے نکل گئی ۔اپنی تیز ہوتی سانسوں کو ہموار کرتی وہ سمیر کے دروازے تک پہنچ گئی ۔۔ایک دومنٹ اپنے دل کی دھڑکنوں اور بے ترتیب سانسوں پر قابو پانے کے بعد۔۔

وہ کال بیل پر پر انگلی رکھنے ہی والی تھی ۔۔کہ

سمیر کی تیز آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی ۔۔

پاپا آپ کو سمجھنا چاهیے ۔۔یه اپار چونیٹی مجھے بار بار نهیں ملے گی ۔۔یه ملک هندستان آپ کو عزیز هے مجھے نهیں ۔۔آپ نے مجھے یو ایس پڑھنے کیوں بھیجا تھا۔۔اسی لیے نه که میں ایک کامیاب انسان بن سکوں ۔۔اب میری کامیابی میں آپ کیوں رکاوٹ بن رهے هیں ۔۔۔

''پاپا آپ کو سمجھنا چاہیے ۔۔یہ اپار چونیٹی مجھے بار بار نہیں ملے گی ۔۔یہ ملک ہندستان آپ کو عزیز ہے مجھے نہیں ۔۔آپ نے مجھے یو ایس پڑھنے کیوں بھیجا تھا۔۔اسی لیے نہ کہ میں ایک کامیاب انسان بن سکوں ۔۔اب میری کامیابی میں آپ کیوں رکاوٹ بن رہے ہیں۔۔۔''

''تم جاؤ ۔۔میں نے کب روکا۔۔۔لیکن بیٹا یہ ۔۔زمین جائیداد ۔۔یہ خاندانی وقار۔۔وہاں ملے گا تمھیں ۔۔۔سب کچھ میں تمھارے نام کر چکا ہوں۔''

''ٹوہیل وتھ دھن دولت ۔۔خاندانی وقار۔۔'' اس کی آواز میں سختی بڑھ گئی۔

''دماغ خراب ہو چکا ہے تمھارا۔''

''آپ کو معلوم ہے نہ ۔۔آپ کی بیماری ۔۔۔لنگس کینسر کا مریض کتنے سال رہے گا اور ۔۔کہہ دیا ہے نہ ڈاکٹر نے کہ آپ زیادہ سے زیادہ سال بھر۔۔اور ۔۔بس ۔۔پھر ۔۔میں کیا کرونگا ۔۔اگر یہ شاندار مستقبل کی کنجی میرے ہاتھ سے نکل گئی ۔۔''

''میرے مرنے کا انتظار تو کر لیتے بیٹا ۔۔''نوکریاں تو قسمت میں ہوتی ہیں ۔۔مل ہی جاتی ہیں دیر سویر ۔۔۔باپ کو اپنی صورت سے محروم نہ کر میرے بچے ۔۔رک جاؤ ۔۔بس کچھ ماہ ۔۔۔میں کچھ دن جی لوں گا ۔۔تمھارے ساتھ ۔۔۔مجھے لاوارث موت نہیں مرنا ۔۔۔'' آواز ۔۔ہچکیوں کی تھر تھراہٹ میں ڈوب گئی ۔۔

''کروا تو رہا ہوں آپ کا نکاح ۔۔آپ کی وارث مل رہی ہیں آپ کو ۔۔۔کر دیں گی آپ کا آخری سفر پورا ۔۔۔

یقین کیجیے وہ بہت ایماندار اور سچی خاتون ہیں ۔اب اپ کی خدمت کے لیے میں اپنا کیریئر داؤ پر نہیں لگا سکتا ۔۔میں نے آپ کی شادی کی بات کر لی ہے ۔۔سن لیجیے ۔۔کان کھول کر ۔۔۔میں اپنی ذمے داری پوری کرر رہا ہوں ۔اسی لیے آپ کو ایک پڑھی لکھی اور محنت کش عورت کے حوالے کر کے ہی جا رہا ہوں ۔۔مجھے آپ کی فکر نہیں اب ۔۔میں وہاں چین سے رہ سکوں گا۔''اور ہاں ۔۔اب آپ آرام سے مر سکتے ہیں !ڈیڈ ۔۔۔پلیز ۔۔میں نے ابھی کمپنی کو اپنی جوائننگ ڈیٹ کنفرم کر دی ہے دو دن بعد سنڈے کی رات میری فلائٹ ہے ۔۔میرے پاس وقت نہیں ہے ۔۔اب ۔کل بعد جمعہ ۔۔آپ کا نکاح ہے ۔۔۔''

۔۔اس کے گلے میں ببول کے دھار دار کانٹے اگ آئے ۔۔ بوجھل اداس شام رات کے بھیانک سناٹے میں بدلنے لگی ۔صفیہ ہوش و ہواس کے آخری چھور کو مٹھی میں بھینچنے کی کوشش کرنے لگی ۔اور ۔۔من من بھر کے قدم رکھتی وہ اپنی بیٹی کے گھر کی دہلیز پر چڑھ گئی !!

□□□

Rakhshanda Roohi Mehdi
115-A, Pocket-A, DDA Flats,
Sukhdev Vihar
New Delhi-110025
Email- ruhi1970@yahoo.co.in

پسِ آئینہ کوئی اور ہے

سعدیہ سلیم

سورج ڈھل چکا تھا،سرخی مائل روشنی گلی کے آخری مکان پر جھولتے پردوں سے چھن کر اندر آ رہی تھی نمیرہ کے نیم تاریک کمرے میں کتابوں کے ڈھیر تھے اور مسلسل جلتے رہنے والا بلب اور وہ خود۔۔۔اس کا قلم کاغذ پر مسلسل رواں تھا جیسے وہ اپنے خوابوں کو تحریروں کے سانچے میں ڈھال رہی ہو مگر خواب صرف تحریروں میں امر نہیں ہوتے انھیں حقیقت کا روپ دینے کے لیے قربانیوں کی صلیب اٹھانی پڑتی ہے اور کچھ خواب تو ایسے ہوتے ہیں جو آنکھوں کو مسلسل چبھن دیتے رہتے ہیں۔۔۔نمیرہ ہمیشہ دوسروں کے لیے جیتی تھی۔بچپن سے وہ حد درجہ حساس تھی کسی کے چہرے پر پریشانی دیکھتی تو بے چین ہو جاتی ماں اکثر سمجھاتی۔۔۔۔۔''بیٹا دنیا اتنی اچھی نہیں جتنا تم سمجھتی ہو ہر کسی کے لیے دل اتنا بڑا نہ کرو کہ خود کے لیے کچھ بچا ہی نہ رہے''

لیکن وہ ہمیشہ مسکرا کر کہتی امی نیکی کا بدلہ ہمیشہ اچھا ہی ہوتا ہے

مگر شاید زندگی اسے کچھ اور سکھانے والی تھی

نمیرہ بچپن سے ہی غیر معمولی ذہانت رکھتی تھی جہاں دوسری لڑکیاں گڈے، گڑیوں سے کھیلتی تھیں، وہاں کتابیں اس کی سہیلیاں تھیں، اس کے خواب بڑے تھے، وہ پروفیسر بننا چاہتی تھی، علم کی روشنی پھیلانا چاہتی تھی، اپنے والدین کا فخر بننا چاہتی تھی، مگر خواب جتنے اونچے ہوتے ہیں زمین اتنی ہی تنگ ہو جاتی ہے۔۔

گھر میں ہر کوئی اس کی تعلیم سے دلچسپی اور لگن سے واقف تھا۔وہ اپنی کلاس میں ہمیشہ اول رہی، ٹیچرز کی نگاہوں میں کافی اہم رہی، لیکن اپنے رشتے داروں میں وہ بے وقعت رہی.... جب کامیابی اس کے قریب آنے لگی تو اپنوں کی محبت بھی دھواں ہونے لگی۔اس کے اپنے بہن بھائی جو کبھی اس کے ساتھ ہنستے تھے اب اس کی کامیابی کو اپنے لیے خطرہ سمجھنے لگے۔ایک احساسِ کمتری میں مبتلا رہنے لگے۔وہ پڑھنے میں مصروف ہوتی تو طعنے ملتے،،،،

کتابوں میں گھسی رہتی ہے، عالم فاضل بننا چاہتی ہے،،، مگر یاد رکھو، آخر میں چولہا ہی سنبھالنا ہے۔ وہ کسی امتحان میں کامیاب ہو جاتی، کسی مقابلے میں انعام ملتا تو کٹیلے طنز کی سرگوشیاں اس کے حوصلوں کو کچلنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتیں ''ضرور کسی نے سفارش کر دی ہوگی ملک صاحب کی بیٹی ہیں اس کا بھی فائدہ ملا ہوگا'' وغیرہ،،

لیکن وہ بددل نہیں ہوتی بلکہ اس کا عزم مزید توانا ہوتا رہا اور اس کی تعلیم کی منزلیں بہ حسن وخوبی سر ہوتی گئیں...

مگر اس کے عزم کو سب سے بڑا زخم وہاں سے ملا جہاں سے

کبھی توقع نہیں تھی ۔اس کے اعتماد پر یہ ایک ایسا ضرب لگا تھا جس نے اسے توڑ کر رکھ دیا،،،

اسے ایک بڑی یونیورسٹی سے ملازمت کی پیشکش ہوئی یہ لمحہ اس کے خوابوں کی تعبیر تھا اس کی آنکھوں میں جانے کتنے سپنے مزید ابھرنے لگے تھے کہ وہ بچیوں کی تعلیم کی راہیں ہموار کرے گی، ان کی حوصلہ افزائی کرے گی، تعلیم کی روشنی سے معاشرے کی تاریکی دور کرے گی ۔۔مگر خوشیوں کی یہ ساعت زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی تعلیم نسواں کے سارے سپنے گڈمڈ ہو گئے۔

حسن۔۔۔جو اس کا قریبی کزن تھا جسے وہ سگے بھائیوں جیسا مانتی تھی جو بہ مشکل گریجویشن کر سکا تھا.... اک احساسِ کمتری کا شکار تھا، وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم نہیں دلانی چاہیے، اس سے لڑکیاں بے لگام ہو جاتی ہیں۔۔ وہ اس کی کامیابی کو برداشت نہیں کر سکا۔اس نے ایک گھناؤنی چال چلی، اس کی ڈگری اور دیگر اسناد پرجعل سازی کا الزام لگا کر رپورٹ درج کرادی۔۔

حسن۔۔۔جو اس کا قریبی کزن تھا جسے وہ سگے بھائیوں جیسا مانتی تھی جو بہ مشکل گریجویشن کر سکا تھا....اک احساسِ کمتری کا شکار تھا، وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم نہیں دلانی چاہیے، اس سے لڑکیاں بے لگام ہو جاتی ہیں۔۔۔ وہ اس کی کامیابی کو برداشت نہیں کر سکا۔اس نے ایک گھناؤنی چال چلی، اس کی ڈگری اور دیگر اسناد پر جعل سازی کا الزام لگا کر رپورٹ درج کرادی۔۔

یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر سو پھیل گئی۔اپنوں کو ایک بار پھر مضحکہ اڑانے کا موقع مل گیا۔یونیورسٹی نے بھی فوری طور پر اپنی پیشکش واپس لے لی۔۔اس کی منزل جسے حاصل کرنے کے لیے اس نے برسوں محنت کی تھی ایک لمحے میں کھو گئی....وہ ششدر تھی.... ذہن مفلوج تھا الفاظ بھی نہیں مل رہے تھے وہ کیا کہے، کس سے گلہ کرے اس کے سامنے بس یہی سوال تھا...میرا قصور کیا تھا،

وہ سب کے لیے مثبت سوچ رکھتی تھی۔دل آزاری اس کے نزدیک سب سے بڑا گناہ تھا،،،،،اس نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا پھر اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔۔۔

اسے ماں کی تلقین یاد آئی

''دنیا اتنی اچھی نہیں جتنی تم سمجھتی ہو۔۔۔۔

وہ ایک لمحہ کے لیے بالکل خاموش ہو گی...

اف۔۔سچ اور جھوٹ کے درمیان لکیر اب اتنی دھندلا گئی تھی کہ پہچان کرنا مشکل لگتا تھا... ہر لب ولہجہ اتنا شائستہ اتنا مخلص معلوم ہوتا تھا کہ دل چاہتا آنکھیں بند کر کے اعتبار کر لیا جائے۔۔مگر جب حقیقت کا پردہ چاک ہو جاتا ہے، بھروسے کی زمین کھسکنے لگتی ہے تو وہی چہرہ جو اپنائیت کا عکس لگتا تھا، دھوکے کی ایک نئی تصویر بن کر سامنے آتا ہے۔۔۔تب دل پر ایک ایسی ضرب لگتی ہے جو نہ الفاظ میں بیان ہو سکتی ہے اور نہ آنکھوں سے بہہ سکتی ہے

۔۔وہ بس گنگ سی ہو کر، اس فریب کار دنیا کے بارے میں سوچتی رہی جو کسی کو اذیت دے کر لذت کا احساس کرتی ہے....

کسی کو گرا کر آگے بڑھنا چاہتی ہے کسی کی ہار کو اپنی جیت سمجھ کر جشن مناتی ہے۔۔مگر نمیرہ ان لوگوں میں سے نہ تھی جو ہار مان لیں۔۔۔۔۔وہ گری، مگر اس نے خود کو سنبھال لیا....

اس نے اپنی سچائی ثابت کرنے کے لیے جدوجہد کی، بالآخر سچ کی جیت ہوئی،،، پھر تو اس کی قسمت کے پر نکل آئے ،اس نے تعلیمی میدان میں مزید جوہر دکھائے ۔اسے ایک اور پہلے سے بھی بڑی یونیورسٹی میں منتخب کر لیا گیا...اپنی خداداد صلاحیت اور اہلیت کی بنا پر وہ تیزی سے ترقی کے منازل طے کرتی گئی۔

وقت نے اسے واپس اس مقام پر لا کھڑا کیا جس کی وہ متمنی تھی لیکن اس کی معصومیت کھو چکی تھی۔۔

مگر وہ پسِ آئینہ سب کا چہرہ دیکھ چکی تھی ،سو اس رنگ بدلتی دنیا پر زیرِ لب مسکرا کے رہ جاتی ،،، حسن بھی جان چکا تھا کہ نمیرہ نے اسے بہت پیچھے چھوڑدیا ہے وہ اتنی بلند ہو چکی ہے کہ وہ اس کے سامنے انتہائی پست قامت بن چکا ہے۔۔شا ید خجالت کے احساس نے اسے نمیرہ کےسامنے آنے سے روک دیا تھا اس میں جرأت نہیں تھی کہ وہ اس کا سامنا کرسکے۔۔۔

نمیرہ جو دنیا کو نیکی، بھلائی، رواداری کا آئینہ سمجھتی تھی اب وہ اس تلخ حقیقت کو جان چکی تھی کہ پسِ آئینہ یہ دنیا کتنی خود غرض، کتنی بے حس، کتنی اذیت پسند ہے۔۔۔

نمیرہ نے سیکھ لیا تھا کہ بعض دیے روشنی نہیں پھیلاتے، کچھ چراغ اپنے کمرے میں ہی جل کر راکھ ہو جاتے ہیں، اس نے یہ بھی سیکھا کہ انسان کو مانگے کا اجالا کے بجائے اپنی روشنی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

کیوں کہ دنیا میں ہر کسی کو خوش کرنا ممکن نہیں، لیکن خود کو مضبوط بنانا ضروری ہے...

وقت کا پہیہ چلتا رہا اور وہ اپنی صلاحیتوں اور خدمات کی بنا پر یونیورسٹی میں ڈی ایس ڈبلیو کے عہدے پر فائز ہو گئی، پورے خاندان میں اس کا چرچا ہونے لگا... جو کل تک اس پر طنز و تضحیک کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے، اب اس سے قربتیں بڑھانے لگے۔۔

مگر وہ پسِ آئینہ سب کا چہرہ دیکھ چکی تھی ،سو اس رنگ بدلتی دنیا پر زیرِ لب مسکرا کے رہ جاتی ،،، حسن بھی جان چکا تھا کہ نمیرہ نے اسے بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے وہ اتنی بلند ہو چکی ہے کہ وہ اس کے سامنے انتہائی پست قامت بن چکا ہے۔۔شاید خجالت کے احساس نے اسے نمیرہ کے سامنے آنے سے روک دیا تھا اس میں جرأت نہیں تھی کہ وہ اس کا سامنا کر سکے۔۔۔

وہ ڈین اسٹوڈنٹس ویلفیئر کے اپنے شاندار آفس میں فنانس ڈپارٹمنٹ کے افسروں کے ساتھ اہم میٹنگ لے رہی تھی۔ یونیورسٹی کے طلبا کی فلاح و بہبود کے لیے کئی پروجیکٹ زیرِ غور تھے کئی گھنٹے تک چلی یہ میٹنگ جب ختم ہوئی تو نمیرہ کی تھکن سے برا حال تھا..

وہ جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی اس نے پیون سے کہا کہ ڈرائیور کو بولو۔۔گاڑی لگائے۔۔۔مگر میم وہ ایک صاحب آپ سے ملنے کے لیے بضد ہیں میں نے بہت کہا کہ میم بہت بزی ہیں آج ملاقات نہیں ہو گی مگر وہ ٹلنے والے نہیں کیا کروں۔۔۔خود کو آپ کا ریلیٹیو بھی بتا رہے ہیں۔۔۔۔ ریلیٹیو۔۔وہ سوچ میں پڑ گئی۔۔۔۔بلاؤ۔۔اس نے دھیرے سے کہا۔۔۔۔۔۔

کچھ دیر کے بعد ایک شخص اندر آیا تو اسے دیکھ کر نمیرہ کو ایک جھٹکا لگا وہ تو حسن احمد تھا جس نے اسکا کیریئر اور امیج تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔حسن احمد کو دیکھ کر طیش کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جی میں آیا کہ وہ اسے دھکے دے کر آفس سے نکلوا دے مگر پل بھر میں شدید غصے کا ابال زائل بھی ہو گیا اس کے اندر کی پرانی نمیرہ بیدار ہونے لگی...

کتنا اسمارٹ ہوا کرتا تھا حسن احمد،،،، کسی کو خاطر میں نہ لانے والا یہ شخص اب بوسیدہ لباس میں مجہول سا نمیرہ کے سامنے مجرم کی طرح کھڑا تھا....

بولو۔۔کیا بات ہے۔۔نمیرہ نے اسے بیٹھنے کو بھی نہیں پوچھا

عرشی۔میں اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہوں.... معافی کا طلبگار ہوں،،،، اس نے نمیرہ کے گھریلو نام سے مخاطب کیا۔۔نمیرہ نے سرد لہجے میں کہا۔مسٹر حسن میرا نام ڈاکٹر نمیرہ ملک ہے۔کیا آپ نے باہر میرا نیم پلیٹ نہیں دیکھا۔۔یہاں عرشی نام کا کوئی فرد نہیں۔۔ انڈراسٹنڈ....

جی ڈاکٹر صاحبہ وہ ہکلایا

آپ بیٹھ جائیں ،اور یہاں آنے کا مقصد بتائیں یہ کہہ کر وہ بھی اپنی کرسی پر جا بیٹھی....

مگر حسن کھڑا ہی رہا۔۔اس کی شرمندگی اسے بیٹھنے نہیں دے رہی تھی۔

وہ مجسم خجالت بنا کھڑا معافی مانگ رہا تھا اس کی اشک آلود آنکھیں پرانے رشتے جوڑنے کی التجا کر رہی تھیں مگر ڈاکٹر نمیرہ کے پاس اس کے لیے کوئی الفاظ نہ تھے بعض زخم اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ وقت بھی انھیں بھر نہیں سکتا...

ہاں تو مسٹر حسن احمد کمال،،،، آپ بے غرض تو آئے نہیں ہوں گے...کام بتائیں وہ اس کے پورے نام سے مخاطب ہوئی...

جی ۔۔۔ مجھے آپ کے پاس آنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔مگر بیٹی نے مجبور کر دیا کہ مجھے پھپھو سے ملوائیں وہ میرا ایڈمیشن کرائیں گی۔ مارکس کم ہونے کی وجہ سے اس کا یہاں داخلہ مشکل ہے۔مگر شگفتہ کا خواب ہے کہ وہ اسی بڑی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرے...اور آپ ہی کی طرح نام روشن کرے...معاشرے میں علم کی روشنی پھیلائے... بالکل آپ ہی کی طرح سوچ رکھتی ہے شگفتہ۔۔۔۔میں ایک باپ ہوں اور بیٹی کے خوابوں کو پورا کرنے کے لیے ذلت کی ٹھوکریں کھانا بھی بہ خوشی گوارا ہے۔

نمیرہ سوچ رہی تھی... کہ تدبیر اور تقدیر کی کشاکش ازل سے چلی آ رہی ہے اور یہ سلسلہ ابد تک جاری رہے گا، انسان کی منصوبہ بندی اپنی جگہ کتنی ہی کامل اور زبردست کیوں نہ ہو قدرت کی کارفرمائی ہمیشہ اس پر سبقت لے جاتی ہے یہ اس کی سچائی کی تجدید تھی کہ اس کا کیریئر خراب کرنے کا منصوبہ ساز حسن اس کے سامنے اپنی بیٹی کے کیریئر کی دہائی دے رہا تھا۔

نمیرہ چونک گئی۔۔۔شگفتہ کہاں ہے۔۔میں نے پوچھا...وہ باہر ہے۔۔ارے اسے اندر کیوں نہیں لائے۔۔اس نے جلدی سے گھنٹی بجا کے پیون کو بلایا اور اسے شگفتہ کو بلانے کی ہدایت دی۔

شوخ و چنچل موہنی صورت والی شگفتہ کو اس نے برسوں بعد دیکھا تھا مگر اب تو وہ حسرت و یاس کی تصویر نظر آ رہی تھی معمولی کپڑے کے شلوار سوٹ اس کے خانگی حالات کو عیاں کر رہے تھے۔۔شگفتہ نے بڑے ادب سے اسے سلام کیا تو نمیرہ نے لپک کے اسے گلے لگا لیا...

تو وہ پھپھک پڑی،،،، ہم آپ کو بہت مس کر رہے تھے پھپھو۔مگر پاپا۔۔۔۔یہ کہہ کر....وہ سسکنے لگی

اس کے آنسو نمیرہ کی روح کو بھگونے لگے.....

آنسو بڑے بے زبان ہوتے ہیں جگر کو خون کر کے صاف شفاف لڑیوں میں پرونے میں مصروف ہو جاتے ہیں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ اپنے کس عظیم زیاں کی خاموش نوحہ خوانی کر رہے ہیں....

نمیرہ نے چونک کر شگفتہ کو دیکھا اس کے آنسوؤں نے دل میں برسوں سے پل رہے نفرت پر درگزر کا پھاہا رکھ دیا تھا۔۔اک سکون کا گمان ہوا۔۔۔اس نے پل بھر میں فیصلہ کیا اور شگفتہ سے اپلیکیشن لے کر اس پر اسپیشل کٹیگری میں ایڈمیشن کے لیے ریکومنڈ کر دیا، پیون کو ہدایت دی اسے ایڈمیشن سیکشن میں دے آئے...

ساتھ ہی ساتھ مہمانوں کے لیے چائے وغیرہ بھی بھجوائے..

جب شگفتہ اور حسن جانے لگے تو نمیرہ بھی ان کے ساتھ ڈپارٹمنٹ سے نکل آئی۔سامنے گاڑی کا دروازہ کھولے ڈرائیور کھڑا تھا۔

ادریس میاں، آپ میرے مہمانوں کو ان کے گھر چھوڑنے کے بعد کوارٹر میں گاڑی لگا دیجیے گا۔۔۔میں کسی اور وہیکل سے چلی جاؤں گی...حسن ششدر سا نمیرہ کے بلند تر ظرف و کردار کو دیکھ رہا تھا جس کو پست کرنے کی اس نے کبھی سازش کی تھی...

اور ہاں مسٹر حسن احمد کمال صاحب اگر مناسب سمجھیں تو شگفتہ کو یونیورسٹی ہاسٹل میں ڈال دیں اس کے عزم کو پنکھ ملنے چاہیں۔۔

اخراجات اور نگہداشت کی ذمے داری مجھ پر۔۔۔۔وہ حسن کو متحیر چھوڑ کر اسٹاف روم کی طرف مڑ گئی۔۔۔

□□□

Dr. Sadia Saleem
W/o Adv. Rashid Saleem Shamsi
Fakhra House
6/97-6/72
Ghalib Pura Kalan Near Subash Park
M. G. Road
Agra- 282010 (U.P)

افسانہ

شاہ تاج خان

میرے ہم نوا

’’نہیں! بالکل نہیں۔ میں ابھی اس کے لیے قطعی تیار نہیں ہوں۔‘‘

’’آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟ ہم دونوں مل کر سب سنبھال لیں گے۔‘‘

’’تم نے دھیان کیوں نہیں رکھا؟‘‘

’’میں ں ں ں ں!‘‘ وہ کوئی جواب دیتی اس سے پہلے ہی نور نے غراتے ہوئے کہا

’’کوئی ان پڑھ۔ جاہل عورت ہو، جو احتیاط نہیں برتی؟‘‘

’’ہماری اس ضمن میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔‘‘

’’جی بیگم! یہی کہہ رہا ہوں۔ مجھ سے پوچھا تھا؟‘‘

’’لیکن!‘‘

’’لیکن ویکن کچھ نہیں۔ میں ابھی ذمے داری اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ کم سے کم دو سال تک مجھے یہ جھنجھٹ نہیں چاہیے۔ آج ہی ڈاکٹر سے ملو اور چھٹکارہ پاؤ اس سے۔‘‘ نور نے کچھ نوٹ اس کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے تاکید کی۔

’’ڈاکٹر سے صلاح بھی لے لینا۔‘‘

’’کیا آپ میرے ساتھ نہیں چلیں گے؟ میں تنہا کیسے جاؤں گی؟‘‘

’’میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔ پڑوس والی بھابھی کو اپنے ساتھ لے جانا۔‘‘ الماس کچھ کہتی اس سے پہلے ہی نور نے اپنا بیگ اٹھایا اور دروازہ کھول کر گھر سے باہر نکل گیا۔

دروازے پر لگا تار بجنے والی گھنٹی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ نور کے جانے کے بعد وہ نہ جانے کتنی دیر سے وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ بند مٹھی کو کھولتے ہی نوٹ ہوا سے اڑ کر دور جا گرے اور پریگنینسی ٹیسٹ کٹ کی اسٹرپ اس کی ہتھیلی پر جگمگانے لگی جس پر ابھری دو لکیریں اسے منہ چڑھا رہی تھیں۔ ایک بار پھر گھنٹی بجی تو وہ اپنے حواس جمع کرتے ہوئے اٹھی اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے شاہدہ خالہ کھڑی تھیں۔

’’سب خیریت ہے نا دلہن! دروازہ کھولنے میں کیا اتنی دیر لگاتے ہیں۔ مجھے دوسرے گھروں میں بھی کام کے لیے جانا ہوتا

ہے۔'' خالہ بڑبڑاتی ہوئی باورچی خانہ کی جانب بڑھ گئیں اور الماس اپنی ہی سوچوں میں غرق صوفے پر جا کر لیٹ گئی۔ اس کی آنکھ تب کھلی جب خالہ نے اسے جگایا اور کہا

''یہ نوٹ صفائی کرتے ہوئے ملے ہیں۔ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا۔ میرا کام ختم ہو گیا ہے۔ میں جا رہی ہوں اٹھ کر دروازہ بند کر لو۔'' الماس کسی روبوٹ کی طرح اٹھی اور دروازہ بند کیا اور سیدھے اپنے کمرے میں گئی۔ تیار ہو کر اپنا پرس اٹھایا اور ڈاکٹر رجنی سے ملنے کے لیے تنہا نکل پڑی۔ تین ماہ قبل الماس اور نور کی شادی ہوئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش تھے۔ دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوبصورت وقت گزر رہا تھا۔ چھٹیوں کے بعد جب نور نے واپس آفس جانا شروع کیا تو الماس کو تنہا دن گزارنا کافی مشکل محسوس ہونے لگا۔ نور ایک کمپنی میں منیجر تھا۔ صبح گھر سے نکلتا تو آٹھ نو بجے سے پہلے اس کی واپسی نہیں ہوتی تھی۔ الماس شادی سے پہلے نوکری کرتی تھی لیکن نور کو اس کا ملازمت کرنا پسند نہیں تھا۔ اس لیے الماس کا پورا دن اب گھر پر ہی گزرتا تھا۔ آس پڑوس سے اس کی ابھی زیادہ جان پہچان نہیں ہوئی تھی کبھی کبھی پڑوس والی شمائلہ بھابھی سے علیک سلیک ہو جایا کرتی تھی۔ جن کو ساتھ لے جانے کا نور نے مشورہ دیا تھا۔ آج جب الماس نے پریگنینسی ٹیسٹ کیا تب نتیجہ مثبت دیکھ کر اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا مگر اس کی خوشی زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔

''کیا تم نے چیک کیا؟''

''جی! ٹیسٹ منفی آیا ہے۔''

''اوہ! آج شام کا ڈاکٹر رجنی سے وقت لے لینا۔ میں شام کو جلدی آ جاؤں گا تب ہم دونوں ساتھ چلیں گے۔'' الماس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ دو سال کا انتظار دھیرے دھیرے پانچ سال کے انتظار میں تبدیل ہو چکا تھا۔ ماہواری کے ایک دو دن اوپر جانے پر ہی نور اسے پریگنینسی ٹیسٹ کرنے کے لیے کہتا اور الماس کے باتھ روم سے باہر آنے تک وہ کمرے میں بے چین ٹہلتا رہتا۔ الماس کا لٹکا ہوا چہرہ دیکھتے ہی وہ بستر پر بے دم ہو کر گر جاتا۔ پھر اسی شام ڈاکٹر رجنی سے ملاقات کا وقت طے کیا جاتا اور دونوں ڈاکٹر کے سامنے بیٹھے ہوتے۔

''میں کچھ دوائیں لکھ رہی ہوں انھیں پابندی سے لیتی رہنا۔''

''کیا میں اب کبھی ماں نہیں بن پاؤں گی؟'' الماس نے وہی اپنا پرانا سوال دہرایا

''مایوس نہ ہو! اوپر والے پر بھروسہ رکھو۔'' ڈاکٹر رجنی نے بھی وہی جواب دیا جو وہ ہمیشہ دیتی تھیں۔

ہر بار یہی ہوتا۔ نور دوا کا پرچہ ہاتھ میں خاموشی سے تھام لیتا۔ اس کی آنکھوں میں ڈھیروں سوال ہوتے لیکن زبان خاموش رہتی۔ وقت گزرتا رہا۔ جس نے جو ڈاکٹر بتایا دونوں ایک امید لیے اس کے پاس پہنچ جاتے۔ ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے ڈاکٹر کے چکر لگاتے اب نو سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ دوا علاج اور پریگنینسی ٹیسٹ کے لیے نہ اب نور کہتا اور نہ ہی الماس کو اس میں کوئی دلچسپی رہ گئی تھی۔ زندگی خاموشی سے لمحہ لمحہ گزرتی جا رہی تھی۔ امید کہیں دم توڑ چکی تھی۔ نور اب پہلے سے کہیں زیادہ الماس کا خیال رکھتا تھا۔ ایک رات الماس پیٹ میں شدید درد سے بے چین ہو گئی۔ آدھی رات کو ہی نور اسے پاس کے کلینک میں لے کر پہنچا۔ وہاں موجود ڈاکٹر صاحبہ نے چیک اپ کے بعد الماس سے پوچھا

''کیا آپ نے پریگنینسی ٹیسٹ کیا ہے؟''

''جی نہیں ڈاکٹر! آپ ایسا کیوں پوچھ رہی ہیں؟''

''مجھے شک ہے کہ آپ حاملہ ہیں۔ ٹیسٹ کے بعد ہی تصدیق ہو گی۔'' الماس کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''کیا ڈاکٹر صاحبہ! میں حاملہ ہوں۔''

''جی! یہ لیجیے ٹیسٹ اسٹرپ اور باتھ روم اُس طرف ہے۔''

اسٹرپ پر ابھرنے والی دو لکیروں نے الماس کو اپنے ماضی میں پہنچا دیا۔ جب شادی کے صرف تین ماہ بعد اسے یہ خوشخبری ملی تھی۔ تب وہ خوشی سے جھوم اٹھی تھی مگر آج۔ وہ اسٹرپ ہاتھ میں تھامے جب واش روم سے باہر آئی تو اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھ کر نور کے دل میں امید کی جلتی شمع یک لخت بجھ گئی۔

''ڈاکٹر صاحبہ! آپ کا شک صحیح ثابت ہوا ہے۔'' کہتے ہوئے

اس نے اسٹرپ ڈاکٹر صاحبہ کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تو نور خوشی سے اچھل پڑا۔اس کا دل ناچنے کو مچل رہا تھا۔

''الماس ! آپ کو اپنا بہت خیال رکھنا ہوگا۔میں کچھ ٹیسٹ وغیرہ لکھ رہی ہوں۔وہ آپ کرا لیجیے گا۔''

الماس کبھی خوش ہوتی اور کبھی اداس ہو جاتی۔اس کی اداسی کا دورانیہ بڑھتا جا رہا تھا۔اس کی طبیعت میں کبھی افسردگی کا عنصر غالب آتا تو کبھی سستی اور پژمردگی اسے گھیر لیتی۔اسے یہ یقین دلانا اتنا مشکل ہو جاتا کہ اسے ماں کہہ کر پکارنے والا بہت جلد دنیا میں آنے والا ہے۔ڈاکٹر رجنی نے الماس کی حالت کو دیکھتے ہوئے ماہر نفسیات کی مدد لی۔سائیکولوجسٹ کے ہر سیشن میں نور اس کے ساتھ جاتا رہا۔ ڈاکٹروں کی ہدایات اور نور کے ساتھ کے سبب الماس اب قدرے بہتر محسوس کر رہی تھی۔الماس کی والدہ زچگی کی تاریخ قریب آتے ہی بیٹی کے پاس پہنچ گئی تھیں۔انھیں یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی اور اطمینان ہوا کہ نور الماس کا بہت اچھی طرح خیال رکھتا ہے۔ایک طویل انتظار کے بعد وہ دن بھی آیا جب الماس نے ایک خوبصورت اور صحت مند بیٹے کو جنم دیا۔نور کے والدین اور اس کی چھوٹی بہن روحی اسٹیشن سے سیدھے اسپتال ہی آ گئے تھے۔جہاں نور اور الماس کے نورِ چشم کی دنیا میں آمد کی خوش خبری نے ان کا استقبال کیا۔نانی دادی تو نئے مہمان پر صدقے واری جا رہی تھیں۔بچے کو کبھی نانی گود میں لیتیں تو کبھی دادا دادی۔روحی نے اپنے بھتیجے کو گود میں لے کر نہارتے ہوئے نور سے کہا

''بھائی جان! میرے بھتیجے کا نام ذوالقرنین ہوگا۔''

''ہاں روحی! نام تو اچھا ہے۔الماس! تمہیں یہ نام کیسا لگا؟''

الماس اسپتال کے کمرے میں خوشی سے سرابور اپنی فیملی کو دیکھ رہی تھی۔نور کی بات کا جواب دینے کی بجائے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔نور کی والدہ نے الماس کے سر کو سہلاتے ہوئے پیار سے کہا

''الماس تھک گئی ہے۔اسے ابھی پریشان مت کرو۔میری بہو کو تھوڑا آرام کرنے دو۔''

الماس نے ابھی تک بچے کو گود میں بھی نہیں اٹھایا تھا۔اس کا رویہ بہت سرد سا تھا۔نرس نے روحی سے بے بی کو لیتے ہوئے کہا

''آپ لوگوں میں سے کوئی ایک یہاں رک سکتا ہے۔''

الماس کی والدہ وہاں ٹھہر گئیں۔نارمل ڈیلیوری ہوئی تھی اس لیے اگلے روز ہی ڈسچارج ملنے والا تھا۔گھر جا کر نئے مہمان کو خوش آمدید کہنے کے لیے تیاریاں بھی کرنی تھیں۔اسپتال سے گھر کے راستے میں سبھی خوب چہکتے رہے۔نور تو مانو آسمان میں اڑ رہا تھا۔روحی بھی نہ جانے کیا کیا پلان بنا رہی تھی۔

''الماس! دیکھو تمہارا بیٹا کتنا پیارا ہے۔اس کی آنکھیں تو بالکل تمہارے جیسی ہیں۔اس کی ناک تو مجھے نور کے جیسی لگ رہی ہے۔بڑی سی ناک والا ہے تمہارا بیٹا!''الماس کی امّی نے ہنستے ہوئے کہا مگر الماس نے صرف اتنا کہا:

''ہوں ں ں!''

ذوالقرنین کافی دیر سے رو رہا تھا۔آواز سن کر الماس کی امّی بھاگ کر کمرے میں آئیں۔انھوں نے دیکھا کہ الماس جاگ رہی ہے لیکن بچے کو اٹھانے اور چپ کرنے کی بجائے کروٹ لے کر لیٹی ہوئی ہے۔انھوں نے پہلے بے بی کو گود میں اٹھایا اور ڈپٹ کر الماس سے کہا:

''تمھیں ذوالقرنین کی آواز نہیں سنائی دے رہی ہے؟ وہ کتنی دیر سے رو رہا ہے۔بچہ بھوکا ہے اسے دودھ پلاؤ۔'' کچھ کہے بنا الماس نے بچے کو گود میں لیا اور اسے دودھ پلانے لگی۔

اسپتال سے گھر آئے چار دن گزر چکے تھے۔الماس کی امّی نے اپنی بیٹی کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

''اللہ نے تمھیں ایک عرصے بعد اولاد سے نوازا ہے۔تمھیں تو خوش ہونا چاہیے لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ تم ہر وقت یا تو روتی رہتی ہو یا پھر غصّہ کرتی ہو۔تمھیں کیا پریشانی ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم! یہ لیجیے آپ کے نواسے کو میں نے دودھ پلا دیا ہے۔اب اسے یہاں سے لے جائیے۔''

''ارے کیسی ناشکری ماں ہو۔''

''آپ جائیے! مجھے تنگ مت کیجیے۔''الماس نے بستر پر لیٹ کر چادر منہ تک تان لی۔الماس کی امّی حیران پریشان اپنے

نواسے کو لے کر کمرے سے باہر آ گئیں۔ نور کی والدہ ایک ٹرے میں دو چائے کے کپ لیے باورچی خانے سے باہر آئیں۔ ٹرے میز پر رکھتے ہوئے الماس کی امّی سے بولیں:

''لائیے ذوالقرنین کو مجھے دیجیے اور آپ چائے پیجئے۔ مجھے آواز تو آئی تھی کہ یہ رو رہا ہے لیکن میں نے دیکھا کہ آپ الماس کے کمرے کی طرف جا رہی ہیں۔ کیا الماس ابھی سو رہی ہے؟''

''نہیں! وہ جاگ رہی ہے۔ میں حیران ہوں کہ بچہ رو رہا تھا اور الماس نے اسے اٹھایا نہیں۔ اس کا برتاؤ مجھے کچھ عجیب لگ رہا ہے۔ اسے تو خوش ہونا چاہیے مگر وہ تو ہر دم دکھی نظر آتی ہے۔''

''آپا! فکر مت کیجیے۔ کچھ دن میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پہلا پہلا بچہ ہے اسے سنبھالنے میں دشواری تو ہوتی ہی ہے۔ ہم سب ہیں نا۔ بچے کا بھی دھیان رکھیں گے اور بچے کی ماں کا بھی۔'' نور کی امّی نے روحی کو آواز دی

''روحی! اپنی بھابھی کو چائے اور ناشتہ دے کر آؤ۔''

''جی باجی! آپ نے ٹھیک کہا کہ نور کے واپس آنے تک الماس اور بچے کا خیال رکھنا ہماری ذمے داری ہے۔''

''وہ تو آفس کا بہت ضروری کام تھا۔ اس لیے نور کو جانا پڑا۔ وہ بھی اپنے بچے کو دیکھے بنا کتنا بے چین ہوگا۔ خیر! کل صبح نور واپس آ جائے گا۔''

تب تک ذوالقرنین دادی کی گود میں سو گیا تھا۔ وہ آہستہ سے اٹھیں اور بچے کو پالنے میں لٹا دیا۔

اپنی چابی سے دروازہ کھول کر نور آہستہ سے گھر میں داخل ہوا۔ دروازے کی گھنٹی بھی اس نے نہیں بجائی تھی۔ اپنے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ الماس اور اس کا پیارا بیٹا گہری نیند میں تھے۔ وہ اپنے صاحبزادے کو گود میں لینا چاہتا تھا۔ تبھی نور کی امّی نے پیچھے سے آ کر اسے روکتے ہوئے سرگوشی بھرے انداز میں کہا:

''پہلے ہاتھ منہ دھو لو۔ تب ذوالقرنین کو گود میں لینا۔ تم ابھی سفر سے آئے ہو۔''

''جی امّی! میں تو بھول ہی گیا تھا۔ ہوں ں ں! آپ کو کیسے پتہ لگا کہ میں آ گیا ہوں۔ میں نے تو گھنٹی بھی نہیں بجائی تھی۔'' تبھی الماس نے کروٹ بدلی

''کمرے سے باہر چلو۔ دونوں کو آرام کرنے دو۔ ذوالقرنین رات میں دیر تک جاگتا ہے۔ الماس بھی بچے کی وجہ سے ٹھیک سے سو نہیں پا رہی ہے۔''

''جی امّی!''

غسل خانے سے نکلتے ہی اسے اپنے بیٹے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ وہ جاگ گیا تھا۔ نور نے تولیا ایک طرف رکھا اور بھاگ کر اپنے بیٹے کے پاس پہنچا۔ الماس کی آنکھ نہیں کھلی تھی۔ نور نے دھیرے سے ذوالقرنین کو اٹھایا اور اسے کمرے سے باہر لے آیا۔ الماس کی امّی اور گھر میں موجود سبھی لوگ اٹھ گئے تھے۔ روحی نے چائے ناشتہ تیار کیا اور سب سے پہلے اپنی بھابھی کو ناشتہ دینے کے لیے ٹرے تیار کرنے لگی:

''ارے واہ! روحی تو بہت سمجھدار ہو گئی ہے۔ سب کے لیے ناشتہ تیار کر دیا۔ یہ ٹرے میں کس کے لیے ناشتہ نکال رہی ہو؟''

''بھابھی کو کمرے میں ہی ناشتہ دے آؤں گی۔''

''الماس کو باہر آنے کے لیے کہو۔ سب ساتھ مل کر ناشتہ کریں گے۔'' نور کی بات سن کر الماس کی امّی نے کہا:

''بیٹا! الماس اپنے کمرے سے باہر نہیں آتی ہے۔'' نور نے روحی کو روکتے ہوئے کہا:

''تم رکو! میں الماس کو باہر بلاتا ہوں۔'' نور کمرے میں گیا تو اسے دیکھ کر ایک لمحہ کے لیے الماس کے چہرے پر خوشی جھلک نظر آئی مگر اگلے ہی پل مایوسی کے بادل چھا گئے۔

''کیسی ہو الماس! چلو اٹھو! سب لوگ ناشتے پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔''

''میرا دل نہیں چاہ رہا ہے۔ آپ لوگ ناشتہ کر لیجیے۔'' نور نے اسے ہاتھ پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی تو الماس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ نور اس کے برتاؤ کو دیکھ کر تھوڑا حیران ہوا۔

''مجھے پریشان مت کیجیے۔ مجھے ابھی بھوک نہیں ہے۔'' نور

خاموشی سے کمرے سے باہر آ گیا۔ اس کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر نور کی امّی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا:

''پریشان مت ہو! کچھ دن میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''جی امّی!'' تبھی ذوالقرنین نے رونا شروع کر دیا۔ نور نے جلدی سے اسے گود میں اٹھایا اور اپنی امّی سے کہا:

''یہ کتنی تیز آواز سے روتا ہے؟''

''بالکل تمھاری طرح۔''

''الماس اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلتی ہے۔ وہ خوش نہیں رہتی ہے۔ پہلے والی میری الماس کہیں گم ہو گئی ہے۔ میں نے اسے اکثر روتے ہوئے دیکھا ہے۔ کل اس کی امّی نے ذرا سختی سے کہہ دیا کہ بچے کا خیال رکھو تو وہ ان سے ہی خفا ہو گئی۔ ڈاکٹر اسے کیا ہو گیا ہے؟''

''یہ بچے کی پیدائش کے بعد ہونے والا ذہنی انتشار (baby blues) ہے۔ اس میں بہت زیادہ اداسی، بے چینی اور تھکن ہوتی ہے۔ بچے کی ولادت کے بعد ماں کے جسم میں ہارمونز کی سطح میں اتار چڑھاؤ آتے ہیں۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ جسم میں موجود کیمیائی اجزا ہمارے موڈ اور جذبات کو کنٹرول کرنے میں حصّہ لیتے ہیں۔ حمل کے دوران ایسٹروجن (estrogen)، پروجیسٹرون (progesterone) ہارمونز وغیرہ کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ پھر بچے کی ولادت کے پہلے چوبیس گھنٹوں کے اندر ہی یہ ہارمونز اپنے معمول کی سطح پر آ جاتے ہیں۔ فکر مت کیجیے لیکن الماس کا خیال رکھیے۔ کچھ دن میں وہ بہتر محسوس کرے گی۔''

''اوہ اچھا! کیا سبھی مائیں ان حالات کا شکار ہوتی ہیں؟ شاید اسی لیے الماس کی اور میری والدہ مجھے سمجھا رہی تھیں کہ کچھ وقت میں الماس ٹھیک ہو جائے گی۔ میں آپ کے پاس اس لیے آیا کہ مجھے فکر ہو رہی تھی۔ الماس دوران حمل بھی ڈپریشن سے جوجھتی رہی تھی۔ اگر ضرورت ہو تو میں الماس کو ماہر نفسیات کے پاس لے جا سکتا ہوں۔''

''نہیں! ابھی ضرورت نہیں ہے۔ گھر میں سبھی لوگ اس کا خیال رکھیں۔ اس کی دلجوئی کریں۔ الماس کو تھوڑا وقت دیجیے۔ وہ جلد ہی بہتر محسوس کرے گی۔ اگر یہ دورانیہ طویل ہو جاتا ہے تب ہمیں ماہر نفسیات کی مدد کی ضرورت ہو سکتی ہے۔''

''پندرہ دن گزر گئے ہیں۔ اس کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ اب بھی الماس بہت غصے میں نظر آتی ہے۔ اس سے بات تک کرنا مشکل ہے۔ ہم سب اس کے لیے فکر مند ہیں۔ اسے خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہ تو مسکرانا ہی بھول گئی ہے۔''

''اوہ! اگر کچھ روز میں الماس میں بہتری نظر نہیں آئی تو ممکن ہے کہ وہ پی پی ڈی (postpartum depression) کا شکار ہو۔ الماس کو پی پی ڈی کا امکان دوسرے لوگوں کی بہ نسبت اس لیے بھی زیادہ ہے کیونکہ وہ حمل کے دوران ذہنی دباؤ کا شکار تھی۔''

''آپ مجھے مشورہ دیجیے کہ میں کیا کروں؟''

''فی الحال تو آپ یہ جان لیجیے کہ مزاج سے متعلق بیماریوں سے متاثرہ مائیں عام طور پر تنقیدی باتوں کے متعلق بہت حساس ہوتی ہیں۔ اس لیے خاندان، دوستوں اور آپ کی جانب سے کوئی ایسی بات نہ کی جائے کہ اس کے دل کو ٹھیس پہنچے۔ الماس کے ارد گرد کے لوگوں کا رویہ بہت ہمدردی بھرا ہونا چاہیے۔ وہ ایک مشکل دور سے گزر رہی ہے۔ اگر آپ سب کا تعاون اسے حاصل رہا تو کسی ڈاکٹر اور دوا کی الماس کو ضرورت نہیں پڑے گی۔''

''ڈاکٹر صاحبہ! میں الماس کو ایسے نہیں دیکھ پا رہا ہوں۔ کیا میں ماہر نفسیات سے رابطہ کروں؟ کیا وہ بتا پائیں گی کہ کوئی دقت تو نہیں ہے؟''

''جی! یہ ممکن ہے۔ وہ سکریننگ کے ذریعے معلوم کرنے کی کوشش کریں گی۔ وہ الماس سے احساسات اور موڈ کے متعلق کچھ سوالات پوچھیں گی۔ جس سے انھیں یہ جاننے میں آسانی ہو گی کہ آیا اسے پی پی ڈی ہے یا ہونے کا امکان تو نہیں ہے۔''

''میں آج ہی ڈاکٹر سے وقت لیتا ہوں اور الماس کو ان کے پاس لے کر جاؤں گا۔''

''مجھے خوشی ہے کہ آپ جیسا جیون ساتھی الماس کے پاس ہے۔ ورنہ ہمارے معاشرے میں نہ تو اس تعلق سے آگاہی ہے اور نہ ہی تحمل۔ اگر گھر والے ساتھ دیں تو اس ذہنی مرض کی شدت کو کم کیا جا

سکتا ہے۔ مجبوری یہ ہے کہ ہم یہ سمجھ ہی نہیں پاتے کہ زچگی کے بعد ڈپریشن، جسمانی، جذباتی اور طرزِ عمل کی تبدیلیوں کا ایک پیچیدہ مرکب ہے۔ بے بی بلوز کو تو گھر میں موجود افراد کے تعاون اور ساتھ کے ذریعے ٹھیک کیا جا سکتا ہے لیکن پی پی ڈی جیسی بیماری کا خود ہی گھر میں ٹھیک کرنے کا خیال درست نہیں۔''

''جی! میں اسی لیے چاہتا ہوں کہ ایک بار الماس کے لیے ماہر نفسیات سے بھی مشورہ کر لوں۔ ڈاکٹر رجنی میں آپ کے مشوروں پر پوری طرح عمل کروں گا۔'' ڈاکٹر رجنی کا شکریہ ادا کرنے کے بعد نور نے کلینک سے باہر آتے ہی اپنے موبائل پر ماہر نفسیات کا نمبر ڈائل کیا۔

''ہیلو! میں نور بات کر رہا ہوں۔ مجھے الماس کے لیے اپاؤنٹمنٹ چاہیے۔''

''جی! آپ 22 تاریخ کو دو بجے تشریف لا سکتے ہیں۔'' نور نے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کیا اور اپنا موبائل جیب میں رکھا۔ کلینک کے باہر پھولوں کی دکان پر نور کی نظر پڑی۔ بے ساختہ اس کے قدم اس جانب بڑھ گئے۔ گھر جاتے ہوئے نور کے ہاتھوں میں الماس کے پسندیدہ مہکتے لال گلاب کا ایک بڑا سا گلدستہ تھا۔

❒❒❒

Shahtaj Khan
588/2B, Hayat Manzil, Plot No 40,
Flat No 4, Newera Society, Bibwewadi
Marketyard Pune-411037(M.S)

Subscription Form "Mahnama Khwateen Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'ماہنامہ خواتین دنیا' کا/کی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

145 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر................................ ......بتاریخ...

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِ تعاون سالانہ -/145 روپے A/C: 90092010045326، IFSC:CNRB0019009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'ماہنامہ خواتین دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, E-mail:magazines@ncpul.in

دستخط

ارتباط

ماہنامہ ''خواتین دنیا'' اردو زبان میں خواتین کے فکری، ادبی اور معاشرتی کردار کو اجاگر کرنے والا ایک موقر رسالہ ہے۔ شمارے میں شائع شدہ مضامین، خطوط اور قارئین کی آرا اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ مجلہ محض روایتی ادب یا گھریلو موضوعات تک محدود نہیں بلکہ موجودہ دور کے پیچیدہ سماجی، سائنسی اور فکری مسائل پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ اس شمارے میں خواتین کی خودمختاری، معاشرتی تحفظ، شعور و تعلیم اور جدید دور کی ٹیکنالوجی جیسے موضوعات کو جس جامع انداز میں پیش کیا گیا، وہ قابل ستائش ہے۔

گذشتہ فروری کے شمارے میں شامل محمد ارشد علی کا خط اس شمارے کا اہم فکری پہلو ہے۔ انھوں نے جس انداز سے عورت کی سماجی حیثیت، تعلیمی پس منظر، اور ازدواجی معاملات میں اس کی خود ارادی کو بیان کیا ہے۔

تشدد اور دقیانوسی رویے: سائنس اور قانون کی روشنی میں خواتین کے خلاف بڑھتے ہوئے تشدد کو جب ہم صرف جذباتی انداز میں بیان کرتے ہیں تو اس کا اثر محدود رہتا ہے۔ مگر جب اسے سائنس، نفسیات اور قانونی دائرے میں سمجھا جائے تو اس کا تجزیہ زیادہ پائیدار حل فراہم کرتا ہے۔ خواتین دنیا کے اس شمارے میں واضح کیا گیا ہے کہ خواتین پر تشدد، ان کے ذہنوں میں بٹھائے گئے خوف، اور ان کے حقوق سے لاعلمی ایک ایسا معاشرتی زہر ہے جو نہ صرف خواتین بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے خطرہ ہے۔

''خواتین دنیا'' کا یہ شمارہ صرف سماجی اصلاح تک محدود نہیں بلکہ ایک ایسا پلیٹ فارم بھی بننے کی کوشش کر رہا ہے جہاں سائنس اور ادب کا ملاپ ہو۔ قارئین کی طرف سے لکھے گئے خطوط میں بار بار اس خواہش کا اظہار کیا گیا کہ ''ادب اور سائنس'' ساتھ ساتھ چلایا جائے۔

مصنوعی ذہانت (AI)، بایوٹیکنالوجی، روبوٹکس، ڈیجیٹل تعلیم یہ سب وہ شعبے ہیں جہاں خواتین کی شمولیت نہ صرف مطلوب ہے بلکہ ان کی معاشی خودمختاری کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے۔ ادب اگر ان موضوعات کو تخلیقی انداز میں پیش کرے، تو یہ قارئین میں نہ صرف دلچسپی پیدا کرے گا بلکہ معلومات میں بھی اضافہ کرے گا۔

AI میں خواتین کی موجودگی پر مضامین، ڈیجیٹل سیکیورٹی سے متعلق تحریریں، آن لائن کاروبار میں خواتین کی کامیاب کہانیاں۔ یہ تمام مضامین نہ صرف خواتین کو بااختیار بنائیں گے بلکہ ادب کے دائرے کو جدید سائنس کی طرف بھی وسعت دیں گے۔

ماہنامہ ''خواتین دنیا'' کا شمارہ ایک فکری اور تحقیقی کوشش ہے، جو روایتی ادب سے آگے بڑھ کر خواتین کے مسائل کو سائنسی، سماجی، تعلیمی، اور قانونی زاویوں سے دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ شمارہ اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ خواتین کے ادبی رسائل بھی AI، ڈیجیٹل تعلیم، قانونی شعور، اور معاشی خودمختاری جیسے

موضوعات پر توجہ دیں۔

قومی اردو کونسل اور آغا خان فاؤنڈیشن کے اشتراک سے منعقدہ ورکشاپ ''اردو اور خواتین''، ''بیٹی بچاؤ، بیٹی پڑھاؤ'' کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے، جس کا مقصد خواتین کو بااختیار بنانا ہے۔ مضمون کا مرکزی پیغام یہ ہے کہ خواتین کو صرف تحفظ ہی نہیں، عزت، تعلیم اور سماجی وقار بھی درکار ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ خود اپنی صلاحیتوں پر یقین کریں اور معاشرتی کردار کو فعال طور پر نبھائیں۔

محفوظہ قریشی اور ڈاکٹر روحی جان جیسے قلمکاروں نے عورت کے ساتھ ہونے والی ناانصافی، جبر، اور مردانہ سماجی ذہنیت کو شدت سے تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ مضمون میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ عورت کو محض بدن یا مرد کی ملکیت نہ سمجھا جائے، بلکہ ایک مکمل انسان کے طور پر تسلیم کیا جائے جس کے بھی خواب، جذبات اور حقوق ہیں۔ کردار پر نظر ثانی نہیں کریں گے، تب تک بہتری ممکن نہیں۔

ماہنامہ ''خواتین دنیا'' (مئی 2025) کا تازہ شمارہ خواتین کے مختلف میدانوں میں کردار کو اجاگر کرنے پر مبنی ہے۔ اس میں معروف خواتین شخصیات کی خدمات، معاشرتی اور ثقافتی سرگرمیوں میں ان کی شمولیت، اور اردو صحافت میں ان کا تاریخی کردار بیان کیا گیا ہے۔ سائنسی شعبے میں خواتین کی نمایاں پیش رفت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، جبکہ افسانے اور نثری تحریروں کے ذریعے خواتین کے جذبات، جدوجہد اور خیالات کی عکاسی کی گئی ہے۔ مجموعی طور پر ''خواتین دنیا'' کے جو شمارے گذستہ چھ مہینوں میں سامنے آئے ہیں وہ سب اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد ہیں۔ جن میں خواتین اور سائنس، یوم خواتین، سنیتا ولیمز اور وکست بھارت @2047 قابل ذکر ہیں۔

نہال رباب، شاہین باغ، نئی دہلی

سلام مسنون،

ماہنامہ "خواتین دنیا" برائے جنوری 2025 نظر سے گزرا۔ اردو زبان و ادب کا معیاری قومی و بین الاقوامی سطح پر نسائی ادب و تانیثیت کا علمبردار یہ رسالہ ہمیشہ کی طرح اپنے رنگارنگ گوشوں پر مشتمل تھا۔ چونکہ مجھے دیگر اصناف ادب اور تحریروں کے مقابلے میں غزل اور افسانہ سے زیادہ شغف رہا ہے اسی لیے فطری طور پر سب سے پہلے غزل یا افسانہ ہی میرے مطالعے کا ہدف بنتے ہیں۔ بہر کیف اس شمارے کو میں نے سحر اسعد کے افسانے 'واردات' سے پڑھنا شروع کیا۔ افسانہ قابلِ ستائش ہے، ایک معمولی سی کہانی کو دلچسپ انداز میں پیش کرنے کی اچھی کوشش کی گئی ہے۔ ایک ایماندار فرض شناس پولیس نے لوگوں میں بڑھ رہے خوف و ہراس اور جھوٹی افواہوں پر اپنی حکمت عملی سے نا صرف روک لگائی بلکہ اپنے فعل سے سماج میں پولس محکمہ سے متعلق بڑھ رہی بے اعتمادی کو بحال کیا۔ اگر ہمارے ملک و سماج میں ایسے پولیس والے ہوں تو لوگوں میں پولس محکمہ کے وجود سے خوف کی بجائے تحفظ کا احساس ہوگا۔

میرے سب سے پسندیدہ گوشہ حسنِ سخن میں کلام شائع ہونے پر میں جوہی بیگم شاما اور فرزانہ پروین کو مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ اس کے بعد بیشک بھولنے کی کوشش کئے بغیر فرزانہ صاحبہ کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس مقطع کے علاوہ غزل کے مندرجہ ذیل دو اشعار مجھے بہت بھلے معلوم ہوئے جس میں شکایتی لب و لہجے میں طنز کے ہلکے سے تیر چلائے گئے ہیں۔

جہان نسواں میں جناب معصوم مرادآبادی کا بیحد اہم اور معلوماتی مضمون علی برادران کی والدہ۔ بی اماں" پڑھ کر بی اماں جیسی عظیم خاتون کی عظمت دل میں اور گھر کر گئی۔ مضمون بلاشبہ معلومات میں اضافے کا باعث بنا۔ وقتاً فوقتاً ایسی عظیم خواتین کے ذکر سے نئی نسل کو بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے اور تاریخ کے پردے سے ایسی کرنیں پھوٹتی ہیں جو آج کے اس ظلمت کدہ میں ہمارے لیے چراغ راہ کا کام دیتی ہیں۔

اسی طرح رسالہ میں شامل سید عبدالحکیم، حبیب النساء، قمر النساء۔ کے، شیبا کوثر، عامر عباس، عنب شمیم، محمد ارشد، حنا آفریں وغیرہ تمام ارباب قلم کے مضامین قابل تحسین ہیں۔ صحت سے متعلق سعدیہ زاہد کا مضمون بھی کافی مفید معلوم ہوا، یقیناً صحت و تندرستی ہماری روزمرہ کی زندگی کا ایک حصہ ہے جس کے متعلق معلومات بہم پہنچانا کسی نعمت سے کم نہیں۔

جوہی عشرت، ریسرچ اسکالر (رانچی یونیورسٹی، رانچی)

□□□

माहनामा ख्वातीन दुनिया मासिक ,जून- २०२५वर्ष:९ , अंक: ६
Mahnama Khawateen Duniya Monthly June 2025, Vol.9, Issue: 6
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI. No. DELURD/2017/74026
DL (S)-17/3555/2024-26
ISSN 2581-4826
Date of Publication: 13-06-2025
Date of Dispatch : 14 and 15 of every month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

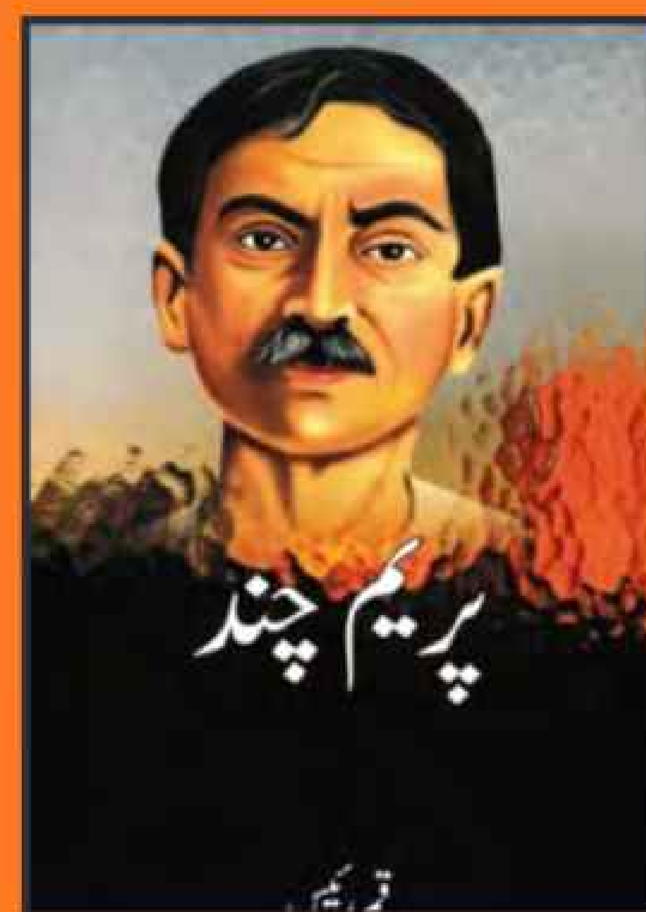

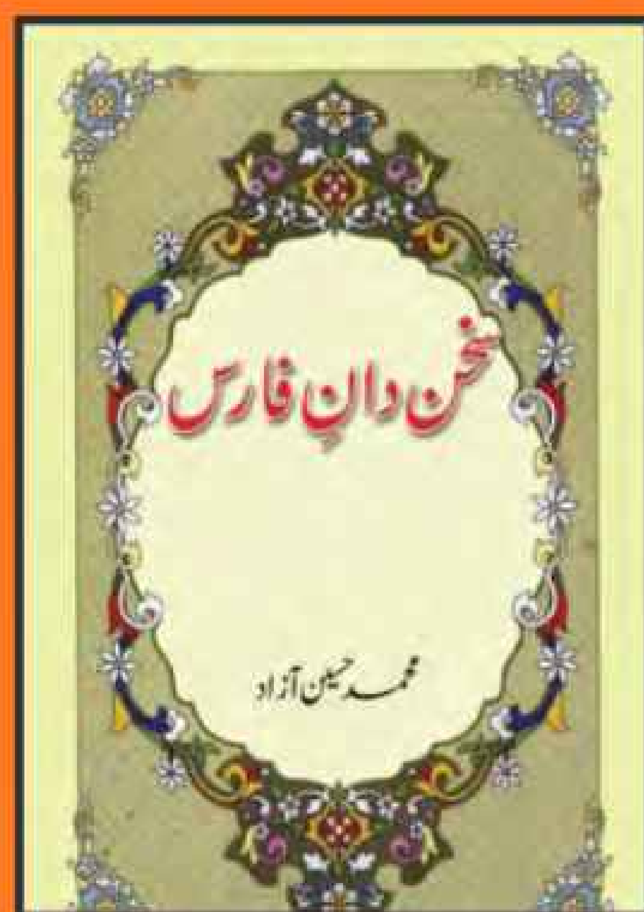

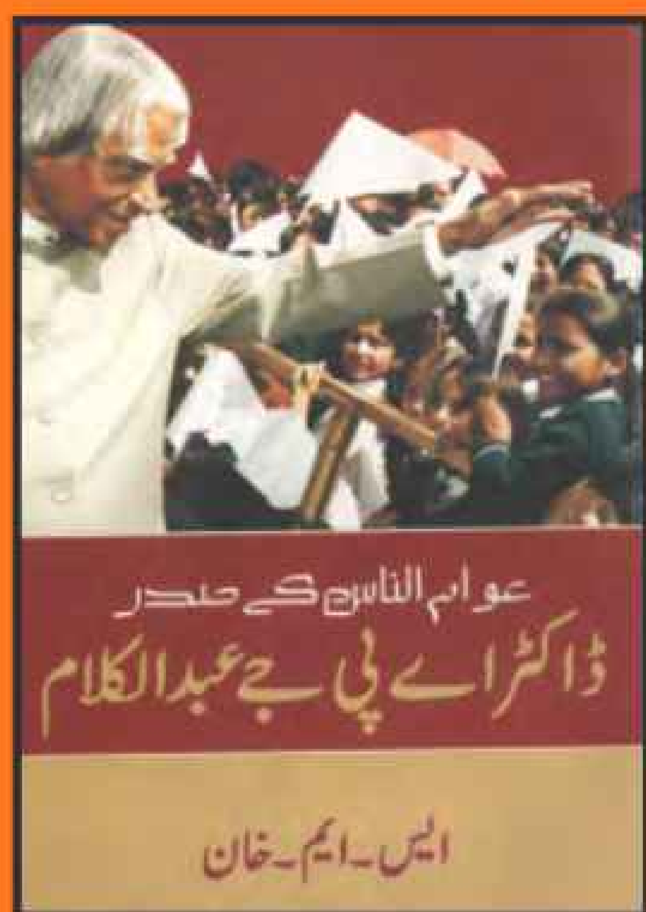

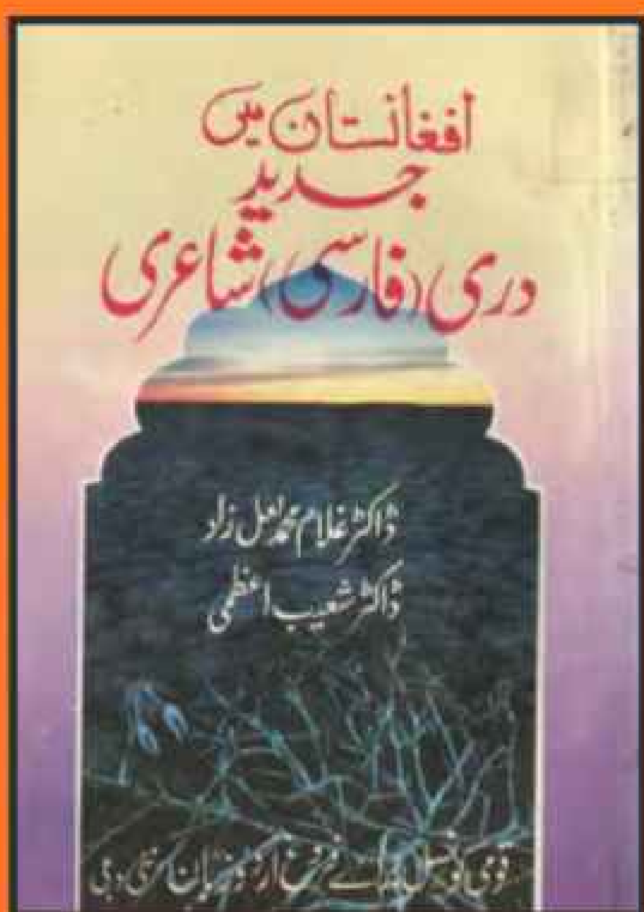

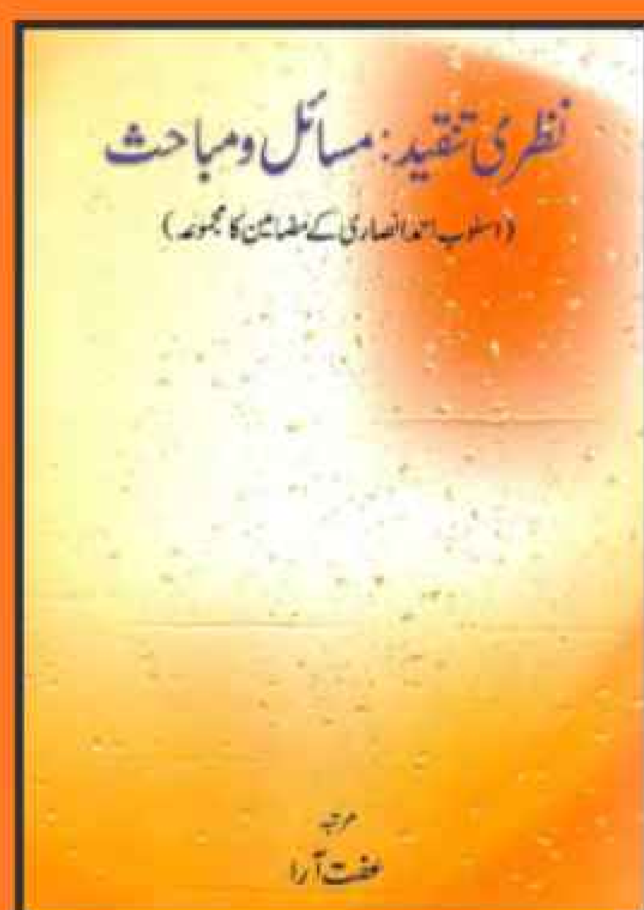

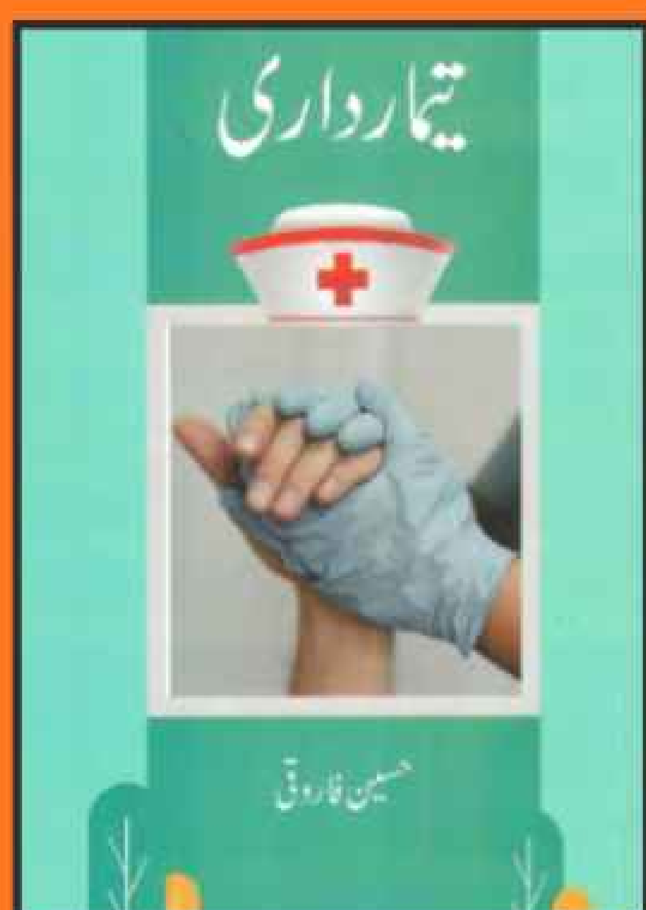

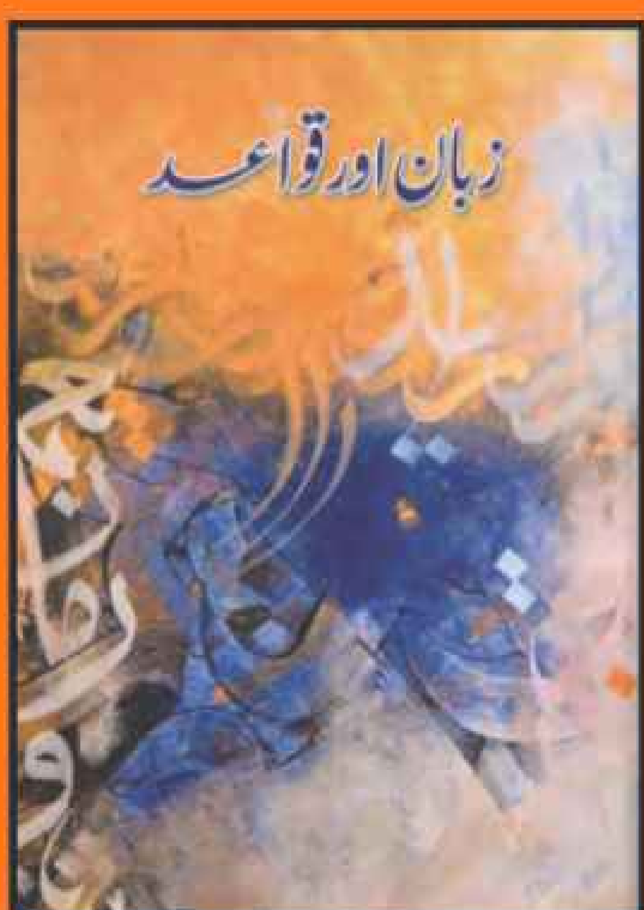

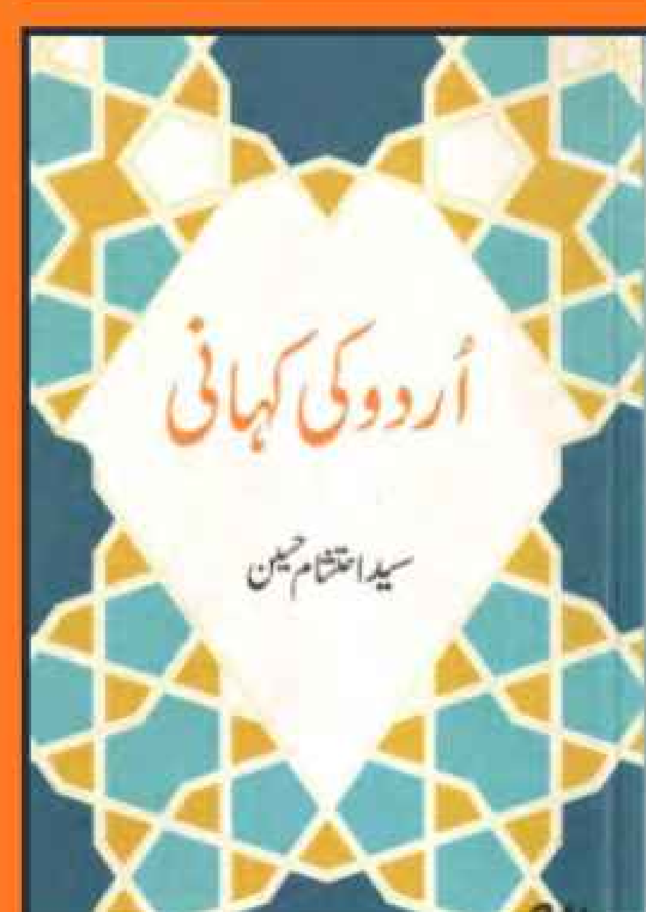

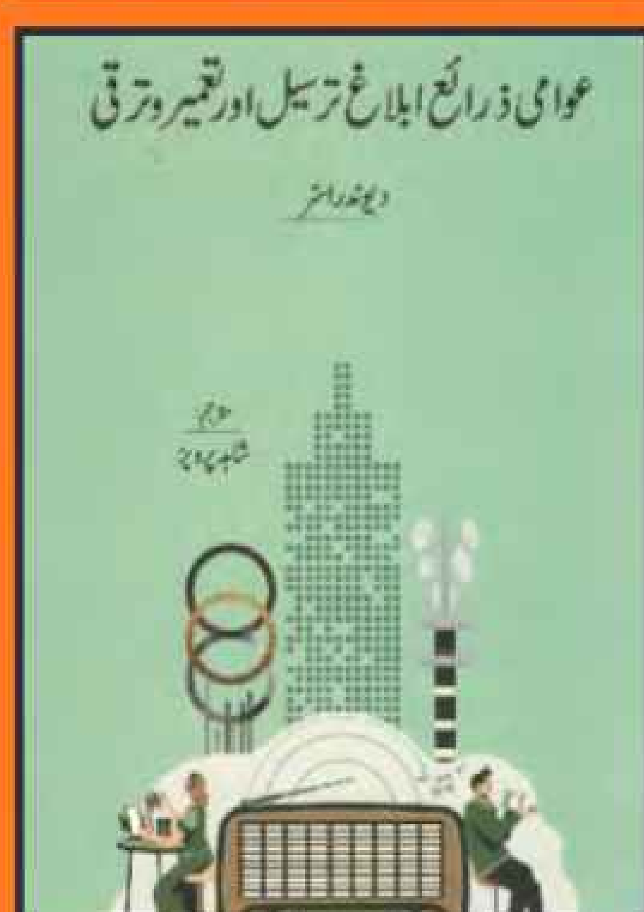

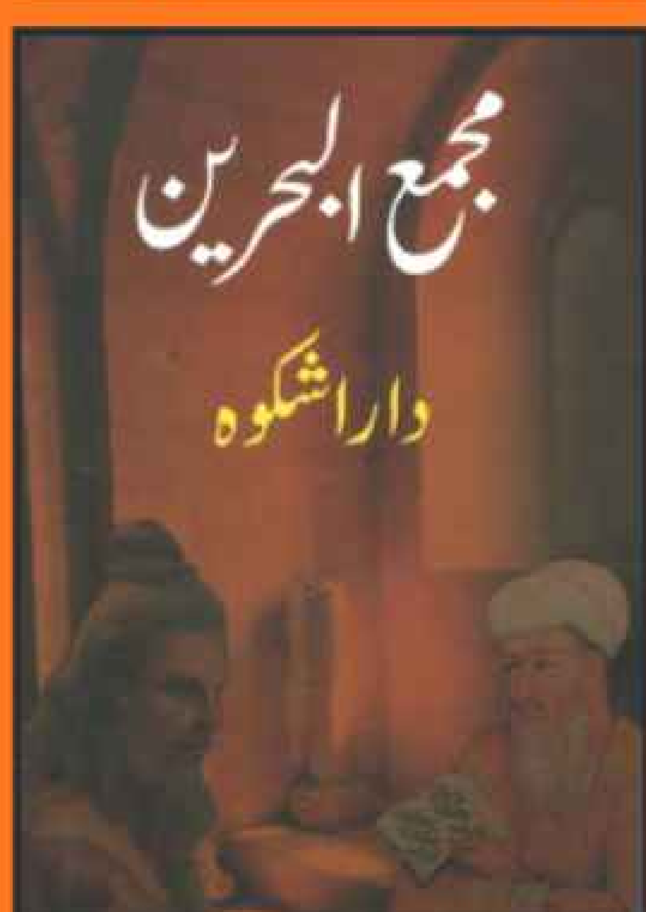

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md. Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at Makoff Printers, B-127, Sector 65, Noida-201301 (U.P)
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan FC-33/9 Institutional Area Jasola New Delhi-110025

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

سوانح عمری: حاجی محمد سمیع اللہ خان بہادر سی ایم جی

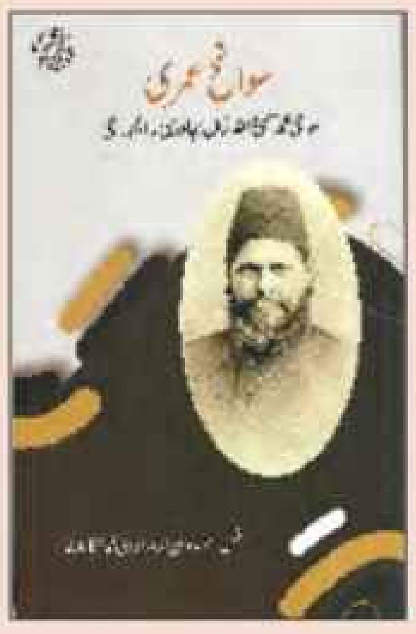

مصنف: شمس العلما خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ

پہلا ایڈیشن: 2025

صفحات: 172+xii (حصہ اوّل)، 72+5 (دوم)

قیمت: 160 روپے

تنویر احمد علوی (مونوگراف)

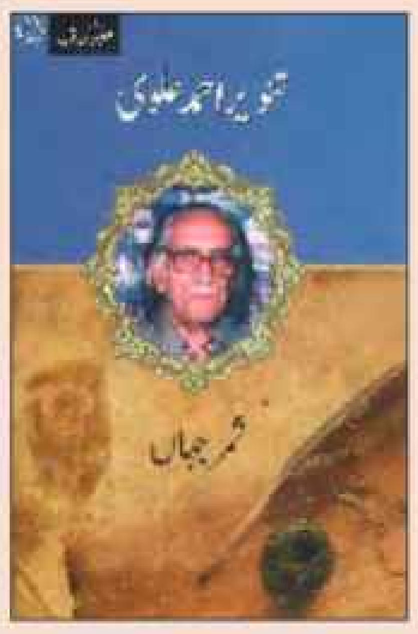

مصنف: ثمر جہاں

پہلا ایڈیشن: 2025

صفحات: 170

قیمت: 120 روپے

قیام امن: ایک جستجو

مصنف: زینت شوکت علی، مترجم: نسیم احمد

پہلا ایڈیشن: 2025

صفحات: 586+xxii

قیمت: 310 روپے

پریم چند: مطالعے کی نئی جہتیں

مصنف: کمل کشور گوئنکا، مترجم: محمد صغیر حسین

پہلا ایڈیشن: 2025

صفحات: 283

قیمت: 165 روپے

انسانی دماغ: کمپیوٹر اور تعلیم

مولف: انس مسرور انصاری

پہلا ایڈیشن: 2025

صفحات: 100

قیمت: 35 روپے

حالی کا سیاسی شعور

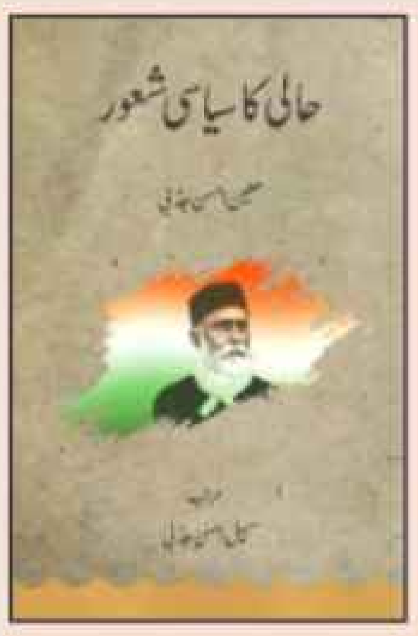

مصنف: معین احسن جذبی

مرتب: سہیل احسن جذبی

دوسری طباعت: 2023

صفحات: 164، قیمت: 215 روپے

حالی کی غزلیں اور قطعات

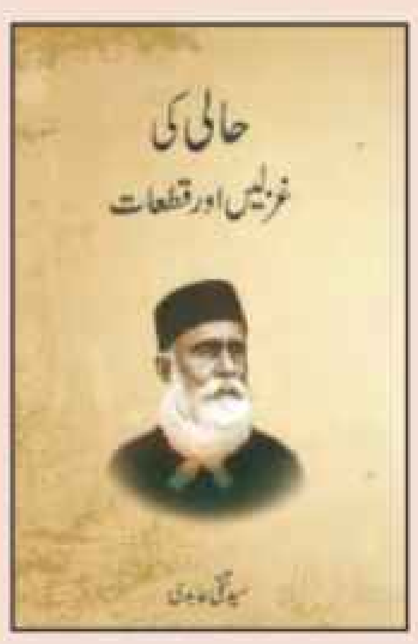

مرتب: سید تقی عابدی

پہلی اشاعت: 2023

صفحات: 185+66

قیمت: 150 روپے

نوم چامسکی

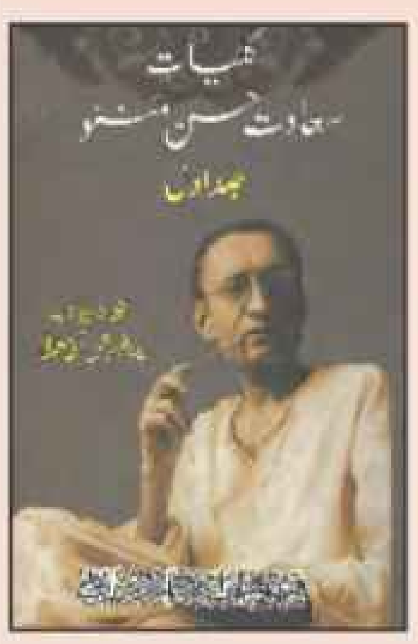

مصنف: علی رفاد فتیحی

پہلی اشاعت: 2023

صفحات: 54

قیمت: 70 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail: books@ncpul.in